

دین کامذاق اوراس کے خطرناک نقصانات

نمازمیں سترے کے احکام

اسلامی بحریہ کاشاندار ماضی

زہد، تقویٰ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر

غموں اور پریشانیوں کاعلاج

مجلس البحث العلمي



المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

albayanmirc@gmail.com +92-21-35896959 www.islamfort.com

www.islamfort.com

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ



سلسلہ نمبر 18
جنوری تا مارچ 2017
اجراء: اپریل 2017



مدیر اعلیٰ | فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر خلیل الرحمٰن لکھوی حفظہ اللہ

مجلس علمی

فضیلۃ الشیخ **ارشاد الحق اثری** حفظہ اللہ — فضیلۃ الشیخ **حافظ مسعود عالم** حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ **حافظ شریف** حفظہ اللہ — فضیلۃ الشیخ **ابراہیم بھٹی** حفظہ اللہ

مدیر
خالد حسین گورایہ

مدیر مجلس ادارت
حافظ محمد سلیم

مجلس ادارت

عثمان صفدر — فاضل مدینہ یونیورسٹی
سعید احمد شاہ — فاضل مدینہ یونیورسٹی
حماد امین چاؤلہ — فاضل مدینہ یونیورسٹی
شعیب اعظم مدنی — فاضل مدینہ یونیورسٹی
جمشید سلطان — فاضل مدینہ یونیورسٹی

بیورو چیف سندھ: عمران فیصل (فاضل مدینہ یونیورسٹی)

کمپیوٹر لے آؤٹ: عبدالحمید صغیر، محمد امین شگری

فہرست مضامین

زرِ تعاون بھیجنے کے لیے اور **البیان** کے شمارہ جات جاری کروانے کے لیے ذیل میں دیئے گئے پتہ پر بذریعہ منی آرڈر رقم ارسال کریں نیز بذریعہ ایزی پیسہ اور آن لائن بھی رقم ارسال کر سکتے ہیں۔

تفصیلات کے لیے رابطہ: محمد کامران یاسین / 03222056928

زرِ تعاون شمارہ: 120 روپے — سالانہ بکنگ پر خصوصی رعایت

بیرون ملک: زرِ سالانہ 12 ڈالر، فی شمارہ 3 ڈالر (علاوہ ڈاک خرچ)

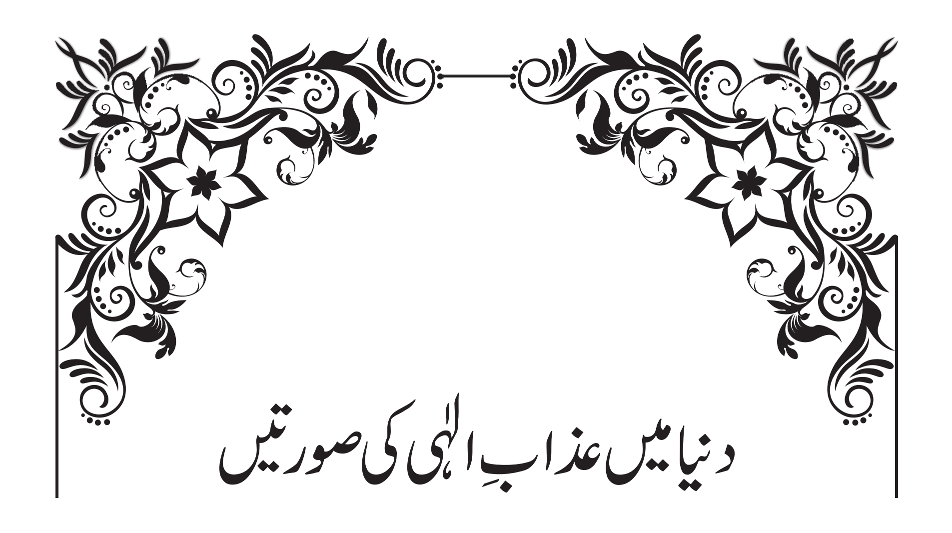
Bank Al-Habib A/C No:1103-0081-002746-01-2

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
AL-Madina Islamic Research Center
مسجد سعد بن ابی وقاص ڈیفنس فیز 4، 11 کمرشل اسٹریٹ
نزد شار شہید پارک وگذری پولیس اسٹیشن کراچی

Ph:+92-21-35896959
Mob 03322135693
WEBSITE:
WWW.ISLAMFORT.COM
E-MAIL:
albayanmirc@gmail.com

نوٹ: البیان میں شائع کیے جانے والے مضامین علمی وتحقیقی بنیادوں پر شاملِ اشاعت کیے جاتے ہیں ادارہ کا مضمون نگار سے کُلی اتفاق ضروری نہیں!

www.islamfort.com



دنیا میں عذابِ الٰہی کی صورتیں

سید ابوبکر غزنوی رحمہ اللہ

ہماری روحوں پر ہمارے اعمال کے اثرات مُرتب ہوتے ہیں۔ اعمالِ صالحہ سے رُوح کا تزکیہ ہوتا ہے اور ایک سکُون، اطمینان اور راحت اِسی دُنیا میں نصیب ہوتی ہے۔ بداعمالیوں کے اثرات بھی روح پر مرتب ہوتے ہیں۔ بداعمالیوں سے رُوح بیمار ہوجاتی ہے اور کراہنے لگتی ہے۔ اگر مرض حدود سے متجاوز نہ ہوگیا ہو اور رُوح پر موت نہ طاری ہو تو مریض رُوح کے درد و کرب کو محسوس کرتا ہے اور اس کی کراہ سُنتا ہے۔ رُوح کا درد و کرب بھی عذاب کی ایک صُورت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾ [الرحمن:46]

ترجمہ: ''اور اس شخص کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا دو جنتیں ہیں''۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر فرماتے تھے کہ:

«إن في الدنيا جنة من لم يدخلها لن يدخل جنة الآخرة»

''اس دنیا میں بھی ایک جنت ہے، جو اس میں داخل نہ ہُوا، وہ آخرت کی جنت میں داخل نہ ہوسکے گا''۔

جناب عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جنت دبستانِ من در سینہ من است ہر جا کہ بنشینم بھار خویشتم''۔

یعنی میری بہشت میرے سینے میں، جو درودِ رحمت اور انوارِ الٰہی کے نزول سے پیدا ہوئی ہے میں جہاں



www.islamfort.com

بیٹھ جاتا ہوں وہیں باغ و بہار ہو جاتی ہے۔

اگر روح کی یہاں تربیت نہ کی جائے، اس کا تزکیہ نہ ہو اور بداعمالیوں میں مُبتلا ہو کر بیمار ہو جائے، تو رُوح آخرت میں بھی بیمار رہے گی۔ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہیں:

﴿وَمَن كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا﴾ [الأسراء:72]

ترجمہ: ''جو اس دنیا میں راہ نجات سے اندھا ہے، وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا، بلکہ اور زیادہ گم کردہ راہ ہو جائے گا''۔

یعنی روح کے ہدایت پانے اور صحت مند ہونے کا تعلق اعمالِ صالحہ سے ہے اور اعمالِ صالحہ کا تعلق دار العمل سے ہے۔ جب دار العمل سے انسان دار الجزاء میں منتقل ہو گیا تو اعمال کا سلسلہ بھی منقطع ہوا۔ پھر روح کے لیے شفا پانا کیوں کر ممکن رہا «الامن رحم ربی»۔ پس بداعمالیوں سے جو عذاب روح پر طاری ہوتا ہے، وہ عذاب اس دنیا میں، عالم برزخ میں اور آخرت میں مسلسل چلتا ہے۔ بداعمالیوں کی سزا اس دُنیا میں بھی ہم کو بھگتنی پڑتی ہے اور آخرت کا عذاب تو دردناک ہے۔ قوم عاد نے جب ہود علیہ السلام کی نافرمانی کی تو اِسی دُنیا میں انہیں ملعون قرار دیا گیا: ﴿وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً﴾ [ہود:60]

''اور اسی دنیا میں ان پر لعنتیں بھیجی گئیں۔''

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اسی دُنیا میں اللہ اُن پر لعنتیں بھیجتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ [الأحزاب:57]

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے نہایت رسوا کن عذاب ہے''۔

لعنت کی حقیقت

لعنت کی حقیقت کیا ہے؟ لعنهم اللہ کے معنیٰ ہیں ابعد ہ عن الرّحمة، اللہ نے اس پر لعنت کی یعنی اُسے اپنی رحمت سے دُور کیا۔ جیسے مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، اسی طرح ہماری ارواح اللہ کی رحمت

www.islamfort.com

کے بغیر صحت منداور توانا نہیں رہ سکتیں۔ جیسے مچھلی پانی سے باہر تڑپتی ہے، اسی طرح انسان کی رُوح بھی اُس رحمت کے بغیر تڑپتی ہے۔ انسان کا ملعون ہونا یہی ہے کہ اُسے اللہ کی رحمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اُس کی رحمت سے سیراب نہ ہونے کی وجہ سے رُوح مُرجھا جاتی ہے۔ اِس پر افسردگی اور پژمردگی طاری ہوجاتی ہے اور وہ ایک دردوکرب محسوس کرتی ہے۔ بداعمالیوں کی سب سے پہلی سزا جو اس دُنیا میں ملتی ہے، وہ ملعون ہونا ہے اور اس کی رحمت سے دُور ہونا ہے، رُوحانی اذیّت میں مُبتلا ہونا ہے، اندیشہ ہائے دُور و دراز میں گرفتار ہونا ہے، سر کا کھولنا، رُوح کا دردوکرب میں مبتلا ہونا ہے۔

ذلّت ورسوائی

جب نافرمانی اور بڑھے تو اس کا عذاب ذلّت ورسوائی کی صورت میں ہوتا ہے۔ لوگوں کے دلوں سے اس کی عزّت اُچک لی جاتی ہے۔ معاشرے میں اُسے ذلیل ورُسوا کیا جاتا ہے۔ اس کے گناہوں کی تشہیر کی جاتی ہے۔ اُس کے عیوب کا پردہ چاک کیا جاتا ہے۔ قرآن اس عذاب کو ﴿خزي﴾ سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآن مجید نے کہا: تم قرآن کے بعض حصّوں کو مانتے ہو اور بعض حصوں سے انکار کرتے ہو:

﴿فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ [البقرۃ:85]

ترجمہ: ''اس کا صِلہ تمہیں اس کے سوا کیا مِل سکتا ہے کہ زندگی میں تمہیں ذلیل ورسوا کیا جائے''۔

ایک دوسری جگہ کہا: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ [البقرۃ:114]

''اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو مسجدوں میں ذکرِ الٰہی سے روکتا ہے اور اُنہیں ویران کرنے میں کوشاں ہے''۔۔۔۔۔ اِسی دنیا میں اُن کو ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے''۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء دینے والوں کا حشر

قرآن وضاحت سے کہتا ہے کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں، اللہ اسی دُنیا میں اُن پر لعنتیں بھیجتا ہے۔

1. ابولہب جس کا نام عبد العزّیٰ تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی تایا تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بعثت کے بعد قریش کو اکٹھا کیا اور اللہ کا پیغام سُنایا تو سب سے پہلے ابولہب ہی نے تکذیب کی اور کہا:

www.islamfort.com

«تبا لک الھذا جمعتنا» ”تیرا ناس ہو۔ کیا اسی لیے تو نے ہمیں اکٹھا کیا تھا“؟

اسی پر یہ سورۃ نازل ہوئی: ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ [المسد:1]

ترجمہ: ”ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہوا“۔

واقعہ بدر کے سات روز بعد ابولہب کو ایک زہریلا دانہ نکلا، بیماری متعدی تھی، کوئی قریب نہیں پھٹکتا تھا، سارے بدن میں زہر سرایت کر گیا، اِسی حالت میں فوت ہوا۔ تین دن تک لاش پڑی رہی، فضا متعفّن ہو گئی۔ اُس کے گھر والے اس اندیشے سے کہ اس کی بیماری کہیں اِنہیں نہ لگ جائے، اسے ہاتھ نہ لگاتے تھے۔ چند حبشی مزدوروں کو بُلا کر لاشے کو اُٹھایا گیا۔ مزدوروں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے دھکیل کر اُس کے لاشے کو گڑھے میں ڈال دیا[1] یہ ہے ﴿وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً﴾ اور یہ ہے ﴿خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾

❷ ابوجہل اس امّت کا فرعون تھا، اس کی انانیت کو اس طرح عذاب دیا گیا کہ دو بچوں کے ہاتھوں مارا گیا۔[2]

❸ عاص بن وائل سہمی سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے والد تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ٹھٹھا اُڑاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں جتنے بیٹے ہوئے اُن کی زندگی میں ہی وفات پا گئے۔

عاص نے کہا:

«انّ محمّدا ابتر لا یعیش له ولد»

”محمد مقطوع النسل ہیں ان کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا“۔

اسی پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ [الکوثر:3]

ترجمہ: ”آپ کا دشمن ہی مقطوع النسل ہے“۔

ہجرت کے ایک ماہ بعد کسی جانور نے پیر پر کاٹا، اس قدر پھولا کہ اُونٹ کی گردن کے برابر ہو گیا، اسی

---

[1] روح المعانی: ج 2، ص 262

[2] صحیح البخاری: کتاب الجھاد، ج:1، ص:443

www.islamfort.com

میں عاص کا خاتمہ ہوا۔[1]

❹ اسود بن مطلب اور اُس کے ساتھی جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو دیکھتے ، آنکھیں مٹکاتے ۔آپ نے بددُعا فرمائی کہ اے اللہ اسود کو اس قابل نہ چھوڑ کہ یہ آنکھیں مٹکا سکے ۔اسود ایک کیکر کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھا ہی تھا کہ اپنے لڑکوں کو آواز دی:

''مجھے بچاؤ! مجھے بچاؤ! میری آنکھوں میں کوئی کانٹے چبھو رہا ہے''۔

لڑکوں نے کہا ''ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا''۔ اسود چلّاتا رہا، مجھے بچاؤ، میری آنکھوں میں کوئی کانٹے چبھو رہا ہے، یہ کہتے کہتے وہ اندھا ہو گیا۔[2]

❺ اسود بن عبد یغوث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اُسے اپنی عقل پر بڑا ناز تھا۔ ایسی بیماری ہُوئی کہ مُنہ سے پاخانہ آتا تھا۔ اسی بیماری میں فوت ہُوا! یہ ہے تفصیل اس آیت کی:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ﴾ ﴿الأحزاب: 57﴾

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے نہایت رسوا کن عذاب ہے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے والوں کی ہلاکت اور تباہی کی تفصیلات حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، طبرانی رحمہ اللہ اور بیہقی رحمہ اللہ نے دی ہیں۔

عذاب کی انواع واقسام

جیسے اُس کی نوازشیں بے حد وحساب ہیں، اُس کے عذاب کی قسمیں بھی بے شمار ہیں۔ وہ بڑا لطیف اور حکیم ہے، وہ اس کائنات کی جس شے کو چاہے عذاب میں بدل دے، یہ ہوا جس سے انسان کے سانس کی آمد وشد

---

[1] ابن الاثیر، ج:2 ،ص:27

[2] ابن الاثیر، ج:2 ص:27

www.islamfort.com

جاری ہے، وہ جب چاہتا ہے اس ہوا کو طوفان اور آندھی بنا دیتا ہے۔

﴿وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ﴾[الحاقة:6]

ترجمہ: ''قومِ عاد کو زنّاٹے کی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا''۔

﴿فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾[الحاقة:7]

ترجمہ: ''اِس آندھی میں تُم یوں انہیں بچھڑا ہوا دیکھو گے، گویا وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہیں''۔

یہ پانی جو بقائے حیات کے لیے ناگزیر ہے، وہ جب چاہتے ہیں اسے طُغیانیوں میں بدل دیتے ہیں:

﴿لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ﴾[ہود:43]

''نوح علیہ السلام کی قوم سیلاب میں ڈوب گئی اور اُس کی زَد سے کوئی نہ بچ سکا۔ان کے سوا جن پر اللہ نے رحم کیا''

یہ آواز جو مطالب کے اظہار کے لیے ازبس ضروری ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں اُس آواز کو عذاب میں بدل دیتے ہیں۔

﴿وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ﴾

''ان میں سے کچھ ایسے تھے جو چنگھاڑ کی گرفت میں آ گئے''۔

یہ زمین جس پر ہم چلتے ہیں، جب اس کی مشیت ہوتی ہے، تو زمین انکار کر دیتی ہے کہ ہم اُس پر چل سکیں:

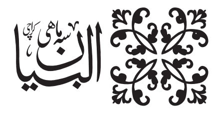
﴿ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾[العنكبوت:40]

''ان میں سے کچھ ایسے تھے، جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا، اللہ تو کسی پر زیادتی نہیں کرتا ہے، یہ انسان ہی ہیں جو اپنے آپ پر ظلم ڈھاتے ہیں''۔

وہ اللہ لطیف و حکیم ہیں، جب چاہتے ہیں نعمت کو عذاب میں بدل دیتے ہیں۔ مال اگر اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، تو اللہ کی نعمت ہے اور یہی مال اگر اللہ سے عزیز تر ہو جائے، اندیشہ و غم کا باعث ہو اور بخل،

www.islamfort.com





خست اور دنایت پر آمادہ کرے تو وہ عذابِ الٰہی بن جاتا ہے۔ اِسی طرح اولاد اگر صالح ہو تو اللہ کی دین ہے اور یہی اولاد اگر اللہ سے دُور ہٹا دے اور حجاب بن جائے تو عذابِ الٰہی ہے۔ ہاں اللہ کا عذاب کبھی مال اور اولاد کی صورت میں بھی ہوتا ہے: ﴿فَلَا تُعۡجِبۡكَ أَمۡوَٰلُهُمۡ وَلَآ أَوۡلَٰدُهُمۡۚ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا﴾ [التوبۃ:55]

''ان کا مال ومنال اور اُن کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالے، یہ تو محض اِس لیے کہ اللہ اس دُنیا کی زندگی میں اُنہیں عذاب میں مُبتلا کرے''۔

طُغیانیاں اب بھی آتی ہیں، طُوفان اب بھی اُٹھتے ہیں، زلزلوں سے بستیاں اب بھی ویران ہوتی ہیں، زمین میں بستیوں کے دھنس جانے کی خبریں اب بھی اخباروں ہم پڑھتے ہیں، مگر ایک ایسی غفلت ہم پر چھا گئی ہے، ایک ایسی قساوت دلوں پر طاری ہے کہ اِن بربادیوں کو دیکھتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ یہ محض اتفاقات ہیں، جو اِس دُنیا میں رُونما ہوتے ہیں۔ اللہ کہتا ہے یہ محض اتفاقات نہیں ہیں:

﴿فَأَخَذۡنَٰهُم بِمَا كَانُواْ يَكۡسِبُونَ﴾ [الأعراف:96]

''ہم نے اُن کی بداعمالیوں کی پاداش میں اُنہیں پچھاڑا''

﴿فَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلَٰكِن كَانُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ يَظۡلِمُونَ﴾ [التوبۃ:70]

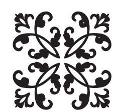
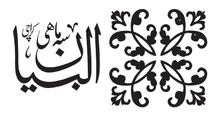
''اللہ کی شان کے تو یہ شایان نہ تھا کہ وہ بے سبب لوگوں پر ہلاکت اور تباہی لاتا، مگر وہ خود اپنی جانوں پر پیہم ظلم ڈھاتے رہے''۔

وہ لوگ جن کے مزاج پر بہیمیت کا غلبہ ہوتا ہے، ہمیشہ سے عذابِ الٰہی کو اتفاق قرار دیتے رہے ہیں۔ شیطان اُن کے جی میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ تم دانشور ہو، عبقری ہو، عذاب وثواب تو ہمات کی باتیں ہیں اور بے وقوف لوگ ان تو ہمات کو مانتے ہیں۔

﴿قَالُوٓاْ أَنُؤۡمِنُ كَمَآ ءَامَنَ ٱلسُّفَهَآءُۗ أَلَآ إِنَّهُمۡ هُمُ ٱلسُّفَهَآءُ وَلَٰكِن لَّا يَعۡلَمُونَ﴾ [البقرۃ:13]

''اُنہوں نے کہا کیا ہم اِن باتوں کو مان جائیں، جیسے یہ بے وقوف لوگ مانتے ہیں، سُن لو یہ لوگ خود بے وقوف ہیں مگر انہیں وقوف نہیں کہ وہ بیوقوف ہیں''۔


www.islamfort.com

بعض لوگوں کی عقل موٹی ہوتی ہے اور انہیں احساس اور اعتراف ہوتا ہے کہ وہ ذہنی صلاحیتوں سے محروم ہیں۔ اُن کی عاجزی اور فروتنی ان کے عیب پر پردہ ڈال دیتی ہے بعض لوگ بے وقوف ہوتے ہیں اور انہیں اپنے آپ پر دانشور اور عبقری ہونے کا گمان ہوتا ہے، ایسے بے وقوفوں کی حالت بڑی مضحکہ خیز ہوتی ہے۔ اللہ اس آیت میں یہ کہہ رہا ہے کہ یہ نام نہاد دانشور اُن بیوقوفوں میں سے ہیں، جنہیں یہ وقوف بھی نہیں کہ وہ بے وقوف ہیں۔

اس ملک کے دانشوروں سے بھی جب ہم آج کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کا سقوط اللہ کا ایک دردناک عذاب ہے، تو وہ کہتے ہیں اس میں عذاب کی کیا بات ہے؟ قوموں کو کبھی فتح ہوتی ہے کبھی شکست ہوتی ہے:

﴿بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ﴾ [المؤمنون:81]

''تاریخ گواہی دیتی ہے کہ فراستِ ایمانی سے محروم انسان ہمیشہ سے ایک جیسی باتیں کرتے رہے ہیں''۔

سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ہماری غفلت اور شقاوت شدید تر ہوگئی۔ ہم انفرادی اور اجتماعی بداعمالیوں میں یُوں چھوٹ ہوگئے ہیں، جیسے ہم اللہ کی زد سے باہر ہوگئے ہوں یا جیسے اس ملک میں اللہ کا قانونِ جزا و سزا معطّل ہوگیا ہو، یہ کیفیت سخت ہلاکت آفرین ہے:

﴿أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ، أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ﴾ [الأعراف:97-99]

''بستیوں میں رہنے والوں کو کِس نے ضمانت دی ہے کہ ہمارا عذاب راتوں رات اُن پر نازل نہ ہوگا، جب وہ بے خبر سورہے ہوں گے۔ کیا بستیوں میں رہنے والوں نے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ لیا ہے کہ ہمارا عذاب دن دہاڑے اُن پر نازل نہ ہوگا، جب وہ کھیل کُود میں لگے ہوں گے۔ کیا اللہ کی چال سے وہ محفوظ ہو بیٹھے ہیں؟ اللہ کی چال سے اپنے آپ کو وہی لوگ محفوظ سمجھتے ہیں، جو خائب و خاسر ہیں''۔

وصلّی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم



www.islamfort.com



امر بالمعروف ونہی عن المنکر

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی اہمیت وافادیت اور عوام الناس کا اس میں کردار

شعیب اعظم مدنی[1]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا معنی

اس کا معنی ہے ''اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔'' اسے تبلیغِ دین، اصلاح اور نصیحت بھی کہہ سکتے ہیں۔

اہمیت وفضائل

اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو تبلیغ دین کا حکم دیا چاہے کوئی ایمان لائے یا نہ لائے، حالانکہ اللہ کے علم میں ہمیشہ سے ہے کہ کون ایمان لائے گا اور کون ایمان نہیں لائے گا۔ بھلائی کی نصیحت کرنے والے کو نیکی کی دعوت دینے کا اجر ملتا رہے گا اگرچہ ایک بھی شخص ایمان نہ لائے اور اگر کوئی شخص کسی کی نصیحت کے نتیجے میں بھلائی کی طرف آ گیا تو نصیحت کرنے والے کو دوسرے شخص کی نیکیوں کا اجر وثواب بھی ملتا رہے گا اور جہاں تک دین کی بات پھیلتی ہے تو ان سب کو بھی برابر اجر وثواب ملتا ہے جنہوں نے اس میں حصہ لیا ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

«مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ»[2]

[1] مدیر شعبہ تعلیم وتربیت المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

[2] صحيح المسلم :كتاب الإمارة، باب فضل إعانة الغازي في سبيل الله، حديث1895

www.islamfort.com

ترجمہ: جس نے کسی خیر کی رہنمائی کی اس کے لئے اتنا ہی اجر ہے جتنا اس خیر کے کرنے والے کو ملے گا۔

اس کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل باتوں سے لگایا جا سکتا ہے:

۞ **اللہ تعالیٰ بھلائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔**

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ [النحل:90]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمہیں عدل، احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں اس لئے نصیحت کرتا ہے کہ تم اسے (قبول کرو) اور یاد رکھو''۔

وضاحت: جب اللہ تعالیٰ حق کی بات کرنے سے نہیں شرماتا تو ہمیں بھی اس معاملے میں کسی قسم کی کوئی شرم، سستی یا ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری سستی کی وجہ سے وہ شخص اپنی غلطی سے آگاہ نہ ہو اور کل قیامت کے دن ہماری بھی پکڑ ہو جائے۔

۞ **اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا حکم دیا ہے۔**

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِينَ ۝١٩٩﴾ [الأعراف:199]

ترجمہ: ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) درگزر کرنے کا رویہ اختیار کیجئے، معروف کاموں کا حکم دیجئے۔ اور جاہلوں سے کنارہ کیجئے''۔

۞ **یہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر رسولوں کی ایک اہم ذمہ داری تھی۔**

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيلِ

www.islamfort.com

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴿۱۵۷﴾ [اعراف:157]

ترجمہ: ”جو لوگ اس رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہیں جو نبی اُمیّ ہے، جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ (رسول ﷺ) انہیں نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں“۔

✿ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا حکم دیا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ [آل عمران:104]

ترجمہ: ”اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلاتے رہیں۔ وہ اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکتے رہیں اور ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں“۔

✿ امت مسلمہ کی بھلائی اسی میں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ [آل عمران 110]

ترجمہ: (مسلمانو!) تم ہی بہترین امت ہو جنہیں لوگوں (کی اصلاح وہدایت) کے لیے لا کھڑا کیا گیا ہے، تم لوگوں کو بھلے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو ایمان لے آئے ہیں مگر ان کی اکثریت نافرمان ہی ہے۔

وضاحت: ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہترین امت اس لحاظ سے بنایا ہے کہ ہم ایمان لانے کے ساتھ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

www.islamfort.com

❁ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا مومنوں کی صفت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾[التوبہ:71]

ترجمہ: ''مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں جو بھلے کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں، وہ نماز قائم کرتے اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں، جن پر اللہ رحم فرمائے گا بلاشبہ اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے''۔

❁ نفس امارہ سے بچنے کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر ضروری ہے۔

انسان کے مختلف نفس ہیں جن میں سے ایک نفس امارہ ہے جو برائی پر اکساتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[یوسف:53]

ترجمہ: ''اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس تو اکثر برائی پر اکساتا رہتا ہے مگر جس پر میرے پروردگار کی رحمت ہو۔ یقیناً میرا رب معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے''۔

نوٹ: نفس امارہ کا کام ہی یہی ہے کہ وہ انسان کو بہکائے لہذا ایک دوسرے کی اصلاح کے ذریعے نفس امارہ کا زور ٹوٹ جائے گا۔

❁ شر پسند جن وانس سے بچنے کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر بہت ضروری ہے۔

ایسے انسانوں اور جنات سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم ہے جو برائی کو خوبصورت بنا کر پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ﴾
[الناس:4-6]

ترجمہ: ’’اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو (وسوسہ ڈال کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔ خواہ وہ جنوں سے ہو یا انسانوں سے‘‘۔

نوٹ: چونکہ یہ شر پسند انسان اور شیاطین انسان کو گمراہ کرنے کے لئے کوششیں کرتے رہتے ہیں اس لئے ایک دوسرے کی اصلاح بہت ضروری ہے تاکہ لوگ ان کے وسوسوں سے محفوظ رہ سکیں۔

❁ دینِ حق کے خلاف کفار کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے بھی نصیحت بہت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ ؕ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ﴾[الصّف:8]

ترجمہ: ’’یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔ خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو‘‘۔

❁ منافقین کی شرارتوں سے بچنے کے لئے نصیحت وخیر خواہی بہت ضروری ہے۔

منافقین آستین کے سانپ ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے درمیان رہ کر اسلام کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کرتے ہیں اور اپنی عقل کو غلط استعمال کرتے ہوئے دین میں ایسے ایسے غلط شبہات پیدا کرنے کی کوششیں کرتے ہیں جن کی وجہ سے نادان اور دنیا پرست لوگ انہیں اسکالر سمجھ کر ان کی بات کو حرفِ آخر اور عقلمندی کی بات کا درجہ دیتے ہیں حالانکہ ایسے لوگ نہ صرف اسلام کے دشمن ہیں بلکہ انسانیت کے بھی دشمن ہیں کیونکہ انہی لوگوں کی وجہ سے لوگ اپنے خالق کے دین پر شک کرنے لگتے ہیں جس کے نتیجے میں انتشار و اختلاف کو فروغ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡکَرِ وَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ

www.islamfort.com

وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾[التوبۃ:67]

ترجمہ:''منافق مرد ہوں یا عورتیں، سب ایک جیسے ہیں، جو برے کام کا حکم دیتے اور بھلے کام سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ (بھلائی صدقہ سے) بھینچ لیتے ہیں۔ وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں بھلا دیا۔ یہ منافق دراصل ہیں ہی نافرمان''۔

۞ نادان لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے نصیحت ضروری ہے۔

بسا اوقات انسان سے لاعلمی کی بنیاد پر بھی گناہ ہوجاتے ہیں لہذا کوئی اصلاح کرے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ کام غلط ہے ورنہ یہ بعید نہیں ہے کہ وہ شخص اس گناہ کو نیکی ہی سمجھ کر کررہا ہو۔

۞ میڈیا کے ذریعے غلط افکار پھیلنے کی روک تھام کے لئے بھی تبلیغ ضروری ہے۔

اکثر لوگ میڈیا سے دین کی باتیں سیکھتے ہیں چاہے وہ ٹیلیویژن کی صورت میں نشر کی گئی ہوں یا انٹرنیٹ کے ذریعہ اَپ لوڈ کی گئی ہوں یا فیس بُک، ٹویٹر اور واٹس اَپ وغیرہ پر شیئر کی گئی ہوں، حالانکہ ان میں سے اکثر باتیں من گھڑت ہوتی ہیں اور عوام یہ سمجھتی ہے کہ جو کچھ ٹی وی وغیرہ پر نشر کیا جارہا ہے وہ صحیح ہے، جبکہ ایسے افراد انتہائی کم تعداد میں ہیں جو صحیح باتیں بھی شیئر کرتے ہیں۔ لہذا اس لحاظ سے بھی دین کی صحیح تبلیغ نہایت ضروری ہے۔

۞ آخرت میں نجات پانے کے لئے بھی تبلیغِ دین ضروری ہے۔

سورہ اعراف میں ہے:

﴿وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَاۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾[الاعراف:164]

ترجمہ:''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ان میں سے کچھ لوگوں نے دوسروں سے کہا: ''تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے؟'' تو انہوں نے جواب دیا: اس

www.islamfort.com

لیے کہ ہم تمہارے پروردگار کے ہاں معذرت کرسکیں اوراس لئے بھی کہ شاید وہ نافرمانی سے پرہیز کریں''۔

وضاحت: یہ ان لوگوں کا واقعہ ہے جنہیں ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنے سے منع کیا گیا تھا۔ان میں تین گروہ بن گئے تھے۔ایک وہ گروہ جو ہفتے کے دن مچھلیوں کو گھیر کر اتوار کو مچھلیاں پکڑتا تھا۔ دوسرا وہ گروہ جو انہیں مچھلیاں پکڑنے (اللہ کی نافرمانی کرنے) سے منع کرتا تھا۔اور تیسرا وہ گروہ جو نہ مچھلیاں پکڑتا اور نہ ہی انہیں منع کرتا بلکہ وہ لوگ منع کرنے والوں سے کہتے کہ تم انہیں نصیحت کیوں کرتے ہو، وہ جواب دیتے کہ اس کے دو فائدے ہیں۔ ❶ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہم بری ہو جائیں گے کہ ہم نے تو منع کیا تھا۔ ❷ ممکن ہے کہ یہ لوگ باز آجائیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے اہم اصول

پہلا اصول: تبلیغ کے لئے خیر خواہی کا جذبہ اور حکمت نہایت ضروری ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ١٢٥﴾ [النحل:125]

ترجمہ: ''(اے نبی)! آپ (لوگوں کو) اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے اور ان سے ایسے طریقہ سے مباحثہ کیجئے جو بہترین ہو۔ بلاشبہ آپ کا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے اور وہ راہ راست پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے''۔

نوٹ: خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ واقعی اس شخص کی بھلائی مقصود ہو اور حکمت سے یہ مراد ہے کہ مناسب موقعہ پر اچھے انداز سے بتایا جائے۔

www.islamfort.com

دوسرا اصول: تبلیغ کے لئے نرمی نہایت ضروری ہے۔

نرمی کے ساتھ تبلیغ کرنے سے لوگوں کے دلوں میں بات اتر جاتی ہے اور وہ سننے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں جس کے نتیجے میں کئی لوگ ہدایت پر آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی ایک اہم ترین خوبی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾[آل عمران:159]

ترجمہ: ''اللہ کی یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ (اے پیغمبر) آپ ان کے حق میں نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ اگر آپ سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کے پاس سے تتر بتر ہوجاتے''۔

نیز اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۚ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾[طه:43،44]

ترجمہ: ''فرعون کے ہاں جاؤ، وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے۔ دیکھو، اسے نرمی سے بات کہنا، شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا (اللہ سے) ڈر جائے۔''

تیسرا اصول

ہر شخص کو اپنی حیثیت کے مطابق تبلیغِ دین کا فریضہ انجام دینا چاہئے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ،فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ،فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ،وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔»[1]

ترجمہ: ''تم میں سے جو شخص بھی کسی برائی کو دیکھے تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے (روکے)، اور اگر ایسا

---

[1] صحیح المسلم: کتاب الأیمان، باب بیان کون النھی عن المنکرمن الایمان، حدیث52

www.islamfort.com

نہیں کرسکتا تواپنی زبان سے روکے،اور اگر ایسا بھی نہیں کرسکتا تو دل سے بُرا جانے اور یہ کمزور ایمان ہے"۔

وضاحت: جس شخص کے پاس قوت اور اختیارات ہوں (جیسا کہ حکومت، جج وغیرہ) تو وہ قوت کے ساتھ دین پر عمل کروائے اور اگر اس کے لئے کسی مجرم کو سزا دینی پڑے یا حدود نافذ کرنی پڑیں تو وہ بھی کرے، لیکن اگر ایک شخص کے پاس اختیارات نہیں ہیں تو وہ اچھے انداز سے دین کی تبلیغ کرے اور غلطیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے نصیحت کرے، اور اگر وہ یہ دیکھے کہ میری نصیحت کے جواب میں اس سے بھی بڑا فتنہ برپا ہوجائے گا تو اس صورت میں کم از کم اتنا تو کرے کہ اس برائی کا ساتھ دینے کی بجائے دل میں اس برائی سے نفرت رکھے۔

چوتھا اصول: تبلیغ دین کے لئے آئینے کی صفات ہونا ضروری ہیں

حدیث میں ہے:

«المؤمن مرآة المؤمن»

ترجمہ: ایک مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہے۔[1]

اگرچہ کچھ علما نے اس حدیث کی روایت کو کمزور کہا ہے لیکن کچھ علما کے نزدیک یہ حدیث حسن درجہ تک پہنچتی ہے نیز اس حدیث کو سنہرے اقوال کے ضمن میں بھی لیا جاسکتا ہے۔اس میں مومن کو آئینہ سے تشبیہ دی گئی ہے لہذا تبلیغ کی افادیت کو بروئے کار لانے کے لئے آئینہ کی چند اہم صفات قابل ذکر ہیں:

پہلی صفت: اگر کسی کے چہرے پر کوئی داغ یا نشان نہ ہو تو آئینہ اس کے چہرے کو صاف دکھاتا ہے یعنی زبردستی نشان نہیں دکھاتا۔اسی طرح ہمیں چاہئے کہ ہم بلاوجہ کسی میں عیب یا غلطی تلاش نہ کریں نیز تہمت سے بھی سخت پرہیز کریں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

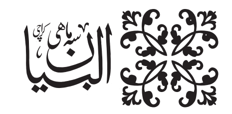
﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾[الھمزۃ 1:]

ترجمہ: "ہر طعنہ زن اور عیب جوئی کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے"۔

---

[1] سنن ابی داؤد: کتاب الأدب، باب فی النصیحة والحیاطة، حدیث4918

www.islamfort.com

دوسری صفت: اگر کسی کے چہرے پر کوئی داغ یا نشان آجائے تو آئینہ اسے بتا دیتا ہے لہذا ہمیں بھی آپس میں ایک دوسرے کی اصلاح کرتے رہنا چاہیے، اور جس طرح آئینہ دیکھنے والا آئینے کے خلاف کچھ نہیں کہتا بلکہ بعض اوقات وہ خوش ہوتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے چہرے پر دھبہ لگ گیا ہے اور میں تو فلاں صاحب سے ملاقات کے لئے جا رہا تھا، اچھا ہوا کہ میں نے آئینے میں دیکھ لیا اور وہ دھبہ صاف کر لیا، اسی طرح ہمیں بھی نصیحت کرنے والے کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے بلکہ خوشی ہونی چاہیئے کہ مجھے کل قیامت میں کائنات کے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے اس لئے بہت اچھا ہو گیا کہ میری اصلاح ہو گئی ہے۔

تیسری صفت: آئینہ کسی کے نشان کا مذاق نہیں اڑاتا لہذا ہمیں بھی کسی کی غلطی کا مذاق نہیں اڑانا چاہیئے بلکہ دردمندانہ انداز میں نصیحت کرنی چاہیئے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ [الحجرات: 11]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! (تمہارا) کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں۔ نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں''۔

چوتھی صفت: آئینہ کسی دوسرے کو آپ کے چہرے کے داغ کے بارے میں نہیں بتاتا لہذا کسی کی غلطی کو دوسروں کے سامنے بیان کرنا منع ہے۔

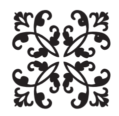
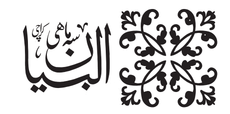
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ [الحجرات: 11]

ترجمہ: ''اور ایک دوسرے پر طعنہ زنی نہ کرو۔ اور نہ ہی ایک دوسرے کے برے نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں''۔



www.islamfort.com

نیز فرمایا:﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾[الحجرات:12]

ترجمہ:''اور نہ ہی تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تم تو خود اس کام کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ ہر وقت توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے''۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے: جس نے اپنے بھائی کو اکیلے میں نصیحت کی تو اس نے اچھے انداز سے اس کی اصلاح کی اور جس نے سب کے سامنے اصلاح کی اس نے درحقیقت برے طریقے سے اپنے بھائی کو رسوا کیا۔

پانچویں صفت: آئینہ اس شخص کو بتاتا ہے جو آئینے میں دیکھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ہدایت اور بھلائی اسے عطا فرماتا ہے جو بھلائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالی کا بھی یہی نظام ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا بلکہ اسے ہدایت سے نوازتا ہے جو خود ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ سورۃ الرعد میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾[الرعد:11]

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے اوصاف خود نہ بدل دے''۔

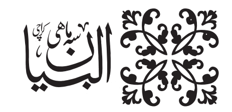
مفہوم: مطلب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ہم انتظار ہی کرتے رہیں کہ کوئی آکر ہمیں بتائے گا تو ہم بھلائی کو اپنائیں گے ورنہ ہمیں کیا ضرورت ہے ہم تو ان پڑھ ہیں، یا پھر ہم تو دنیادار لوگ ہیں یہ بھلائیاں تو دین دار لوگوں کے لئے ہیں بلکہ جس بات کا علم ہو جائے اسے اپنانا اور دوسروں کو بتانا ضروری ہے۔

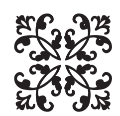
چھٹی صفت: جب تک وہ نشان مِٹ نہیں جاتا آئینہ اسے بتاتا رہتا ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی بار بار نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[الذاریات:55]

ترجمہ:''اور نصیحت کرتے رہیے۔ کیونکہ نصیحت ایمان لانے والوں کو فائدہ دیتی ہے''۔



www.islamfort.com





ساتویں صفت: نشان جتنا ہوتا ہے اتنا ہی آئینہ دکھاتا ہے لہٰذا ہمیں بھی نصیحت کے وقت یہ خیال رکھنا چاہئے کہ کسی کی غلطی کو بڑھا چڑھا کر پیش نہ کریں۔

آٹھویں صفت: جب وہ نشان ختم ہوجاتا ہے تو آئینہ بھی چہرے کو صاف دکھاتا ہے لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ جب کوئی شخص اپنی غلطی یا برائی کو چھوڑ دے تو دوبارہ اس کا تذکرہ کر کے نہ خود گناہ گار ہوں اور نہ ہی اسے تکلیف پہنچائیں۔ اور اس سے بھی عظیم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سچی توبہ کرنے والوں کی مغفرت کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بھی بدل دیتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ [الفرقان:70]

ترجمہ: ''ہاں جو شخص توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے''۔

وضاحت: جب اللہ ذوالجلال نے ایک شخص کی مغفرت کردی ہے تو ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم اس کی غلطیوں کا تذکرہ کریں۔

تبلیغِ دین ایک عظیم کارِ خیر ہے

درحقیقت یہی فائدے کی بات ہے جس سے دنیا میں بھی امن وسکون ملتا ہے اور آخرت میں بھی بڑا اجر ہے۔

﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾﴾ [النساء:114]

ترجمہ: ''ان کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی۔ الّا یہ کہ کوئی شخص پوشیدہ طور پر لوگوں کو صدقہ کرنے یا بھلے کام کرنے یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دے۔ اور جو شخص ایسے کام اللہ کی رضا جوئی کے لیے کرتا ہے تو ہم اسے بہت بڑا اجر عطا کریں گے''۔



www.islamfort.com

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کرنے کے نتائج

(1) ایسے شخص کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ،وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ،قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا فَلَا يُسْتَجَابَ لَكُمْ»

ترجمہ: نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اس سے پہلے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونا بند ہو جائیں۔[1]

(2) ایسے شخص پر اللہ کی لعنت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ، فَيَقُولُ :يَاهَذَااتَّقِ اللهِ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَكَ،ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِفَلَايَمْنَعُهُ ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ أَكِيلَهُ وَشَرِيبَهُ وَقَعِيدَهُ فَلَمَّا فَعَلُواذَلِكَ ضَرَبَ اللهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ،ثُمَّ قَالَ :لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَوَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ إِلَى قَوْلِهِ فَاسِقُونَ ثُمَّ قَالَ :كَلَّا وَاللهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِوَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدَيِ الظَّالِمِ وَلَتَأْطُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا)

ترجمہ: ''پہلی خرابی جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملتا تو کہتا کہ اللہ سے ڈرو اور جو تم کر رہے ہو اس سے باز آ جاؤ کیونکہ یہ تمہارے لئے درست نہیں ہے، پھر دوسرے دن اس سے ملتا تو اس کے ساتھ کھانے پینے اور اس کی ہم نشینی اختیار کرنے سے یہ چیزیں (غلط کاریاں) اس کے لئے مانع نہ ہوتیں، تو جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے بھی بعضوں کے دل کو بعضوں کے دل کے ساتھ ملا دیا''۔ پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی:

---

[1] سنن ابن ماجه:كتاب الفتن،باب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر-حديث4004- حسن

www.islamfort.com

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ [المائدۃ: 78-79]

ترجمہ: ''بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہو گئے ان پر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ نافرمان ہو گئے تھے اور حد سے آگے نکل گئے تھے۔ وہ ان برے کاموں سے منع نہیں کرتے جو وہ کر رہے تھے اور جو وہ کرتے تھے، وہ بہت برا تھا''۔

پھر فرمایا: ''ہرگز ایسا نہیں، اللہ کی قسم! تم ضرور اچھی باتوں کا حکم دو گے، بری باتوں سے روکو گے، ظالم کے ہاتھ پکڑو گے، اور اسے حق کی طرف موڑے رکھو گے اور حق وانصاف ہی پر اسے قائم رکھو گے''، یعنی زبردستی اسے اس پر مجبور کرتے رہو گے''۔[1]

<u>کفر سے مراد</u>: ان لوگوں کی نافرمانیاں، وعدہ خلافی اور حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے۔ اور انہی جرائم کی بنا پر انہیں کافر کہا گیا ہے اور ایسے لوگ زبور میں بھی ملعون قرار دیئے گئے ہیں اور انجیل میں بھی۔ اور یہ اسی لعنت کا اثر تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ بندر بنا دیئے گئے تھے اور کچھ خنزیر۔ بعض علما کا خیال ہے کہ داؤد علیہ السلام کی بعثت سے قبل ہفتہ کے دن کی بے حرمتی کرنے والے لوگ بندر بنائے گئے تھے اور یہ اسی دور کا واقعہ ہے اور جن لوگوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے آسمان سے دستر خوان اترنے کا مطالبہ کیا تھا۔ پھر دستر خوان اترنے کے باوجود بھی ایمان نہ لائے تھے انہیں خنزیر بنایا گیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہر حال یہ تو قرآن کریم سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو بندر اور کچھ لوگوں کو خنزیر بنا دیا گیا تھا اور یہ اسی لعنت کا اثر تھا۔[2]

---

[1] سنن أبي داؤد: كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي- حديث: 4336- حسن

[2] تیسیر القرآن: مفسّر عبدالرحمن کیلانی

www.islamfort.com

نصیحت کس کے لئے ہے؟

نصیحت ہر ایک کے لئے ہے جیسا کہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے: ایک صحابی جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«بَايَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.»[1]

میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ میں نماز قائم کروں گا، زکاۃ ادا کروں گا اور ہر مسلمان کو نصیحت کروں گا۔

ایک اور روایت میں ہے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ»

ترجمہ: ''ظالم حکمران کے سامنے عدل کی بات کرنا بھی ایک عظیم جہاد ہے''۔[2]

ان احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موقع محل، حکمت اور ضرورت کے حساب سے ہر شخص کو نصیحت کرنا ضروری ہے، خصوصاً جو افراد جن لوگوں سے منسلک ہوتے ہیں یا زیادہ قریب ہوتے ہیں ان پر یہ ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ خیال بھی آتا ہے کہ اگر میں نے اصلاح کی کوشش کی تو لوگ میرے دشمن بن جائیں گے اس وجہ سے میں کسی کو کچھ نہیں کہتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ان لوگوں کی مدد ضرور کرے گا جو اس کے دین کی مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ [الحج:40]

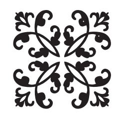
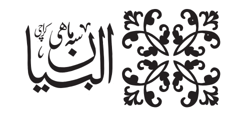
ترجمہ: ''اور اللہ ایسے لوگوں کی ضرور مدد کرتا ہے جو اس (کے دین) کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ یقیناً بڑا طاقتور اور سب پر غالب ہے''۔

---

[1] صحیح البخاری: کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ الدین النصیحۃ، حدیث 56

[2] سنن الترمذی: کتاب الفتن، باب ماجاء أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر، حديث 2174۔ صحيح لغيره

www.islamfort.com

بصورت دیگر نفس امارہ، شیاطین، شر پسند انسان، کفّار اور منافقین تو دین کے خلاف سرگرداں رہتے ہیں ۔اوران کی ہر ممکن یہ کوشش ہوتی ہے کہ کس طرح اس دین حق کی دعوت کو نہ صرف روکا جائے بلکہ جان بوجھ کر ایسے شبہات پیدا کئے جائیں اور اس طرح دین کو غلط طریقے سے پیش کیا جائے کہ لوگ نہ صرف دین سے دور ہو جائیں بلکہ دین سے نفرت کرنے لگیں نیز دنیادار طبقہ بھی خوش ہو جائے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اللہ تعالیٰ ک کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝١٠٥﴾[المائدۃ:105]

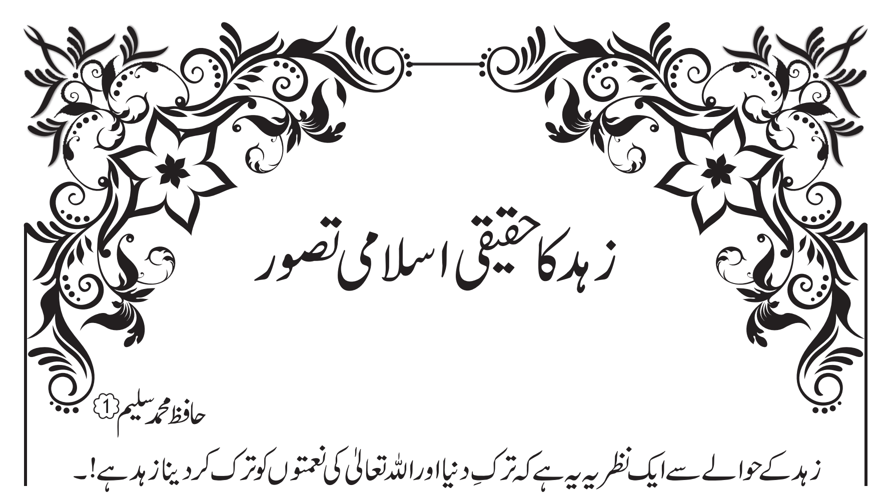
ترجمہ:''اے ایمان والو!تمہیں اپنی فکر کرنا لازم ہے۔جب تم خود راہ راست پر ہو گے تو کسی دوسرے کی گمراہی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔تم سب کی اللہ ہی کی طرف بازگشت ہے وہ تمہیں بتلا دے گا جو تم کیا کرتے تھے''۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے کہ انسان صرف اپنا خیال رکھے اور دوسروں کی فکر نہ کریں جبکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے۔اس کے بعد تبلیغِ دین بھی بہت ضروری ہے۔اگر تبلیغ کے باوجود کوئی ایمان نہ لائے تو آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا اور اللہ کی مدد آپ کے ساتھ ہے لہٰذا وہ لوگ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

وصلّی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم



www.islamfort.com



زہد کا حقیقی اسلامی تصور

حافظ محمد سلیم [1]

زہد کے حوالے سے ایک نظریہ یہ ہے کہ ترکِ دنیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ترک کردینا زہد ہے!۔

تصوف کے حاملین صوفی ازم کا پرچار کرنے والے اچھا کھانا پینا، پہننا، رھن سہن اپنانا یہ سب ان کے نزدیک زہد کے منافی ہے۔ وہ زہد کو تصوف میں تلاش کرتے ہیں لہٰذا اچھا کھانا موجود ہونے کے باوجود اس میں پانی ڈالنا اور پھر کھانا، اچھا لباس موجود ہونے کے باوجود پھٹا پرانا اور بوسیدہ پہننا، مسجد کو چھوڑ کر لوگوں سے الگ تھلگ کسی جھونپڑی کو مسکن بنالینا قبرستان میں کہیں کٹیاں میں رہائش کرنا، یا شہر سے دور رھبانیت کی زندگی گذارنا مذکورہ امور کو انتہائی درجے کا زہد شمار کرنا، سراسر قرآن وسنت کی تعلیمات کے منافی ہے بلکہ قرآن مجید میں موجود اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کی بھی نافرمانی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ [المائدۃ:87]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حد سے آگے مت نکلو، بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

زہد کا لفظی معنی ہے دور رہنا، اپنے آپ کو بچانا۔

زہد کا معنیٰ ومفہوم

جبکہ دنیا کی راحت کو آخرت کی راحت طلب کرنے کے لئے ترک کردینا حقیقی زہد ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شرعاً زہد یہ ہے کہ ان مرغوب چیزوں کو ترک کردینا جو آخرت کے

[1] مفتی المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی



www.islamfort.com

گھر کو حاصل کرنے کے لئے مفید نہ ہو، یعنی فضول ومباحات کو ترک کر دینا جو کہ اللہ کی اطاعت میں معاون نہیں ہوتیں"۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "زہد دل کا سفر کرنا دنیا کے مسکن سے آخرت کے اعلیٰ مقام کو حاصل کرنے کی طرف"۔

زہد کی تین اقسام ہیں

1 زہد فی الحرام

اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو ہر اس عمل سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ یہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے یعنی اس کے بغیر زہد کا حصول ناممکن ہے۔

مثلاً قتل سے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ [الانعام:151]

ترجمہ: "جس جان کو اللہ نے مارنا حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو"۔

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ [النساء:36]

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو"۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾ [الاسراء:31]

ترجمہ: "بھوک کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو"۔

جیسے زنا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ [الاسراء:32]

ترجمہ: "زنا کے قریب مت جاؤ بے شک یہ بہت بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے"۔

جیسے ناحق مال کھانا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [الانعام:152]

www.islamfort.com

ترجمہ: ''یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ مگر اس طریقے سے جو احسن ہو''۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [البقرۃ:188]

ترجمہ: ''اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو، نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کرلیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو''۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [آل عمران:130]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمہیں نجات ملے''۔

یہ بھی اور ان جیسے دیگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا﴾ [النساء:31]

ترجمہ: ''اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جس سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کردیں گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے''۔ یعنی جنت میں۔

2 زہد فی الشبہات

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر اہلِ ایمان کو چاہئے کہ وہ مشتبہ امور سے بھی دور رہے۔ یہ بھی حصول زہد کے لئے ضروری ہے۔

اور اس کا حکم شبہات کی درجہ بندی کے اعتبار سے ہے۔

اگر شبہ حرام کے درجے میں ہے تو اس سے بچنا واجب ہے، وگرنہ مستحب ہے۔

ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فرمان سے اس کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي

www.islamfort.com

يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَاوَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِمُضْغَةًإِذَاصَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَالْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»۔ [1]

ترجمہ: ''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ اور اِن دونوں کے درمیان چند امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں۔ لیکن ان کو لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی پس جو شخص شبہات سے بچ گیا تحقیق اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو شخص شبہات میں داخل ہو گیا تو تحقیق وہ حرام میں واقع ہو گیا اسی چرواہے کی طرح جو کسی چراگاہ کے اردگرد اپنی بکریاں چراتا ہے قریب ہے کہ وہ اس چراگاہ میں داخل ہو جائیں۔ خبردار ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہے۔ خبردار اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔ خبردار جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہے تو پورا جسم صحیح ہے اور اگر وہ خراب ہے تو پورا جسم خراب ہے، خبردار وہ دل ہے''۔

مذکورہ امور سے یہ بھی واضح ہوا کہ حرام کے ساتھ ساتھ مشکوک اور مشتبہ امور سے بچنا چاہیے۔

③ زہد فی الفضول

اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ فضول سوالات، سے بلاوجہ کے میل ملاپ سے، دوستی یاری، فضول محفلیں اور اپنے نفس کی ہر خواہش پر چلنے سے (جو خواہش نیکی اور خیر کی طرف لے جانیوالی نہ ہو) بچے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایک حدیث میں بہت ہی جامع اور مانع انداز میں اسے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

«من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه»۔ [2]

---

[1] صحيح البخاري: باب فضل من استبرألدينه، ج1، ص101

[2] سنن الترمذی: ج4 ص558

www.islamfort.com

ترجمہ: ''یعنی آدمی کے بہترین اسلام میں سے یہ بات ہے کہ وہ لایعنی امور کو یعنی فضولیات کو چھوڑ دے''۔

لایعنی امور کو چھوڑنا ایک مسلمان میں حقیقی معنیٰ میں زہد پیدا کرتا ہے۔

یعنی فی زمانہ ایسے بہت سے امور ہیں جن میں اوقات کے ضیاع کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا مثلاً نیٹ، فیس بک، پتنگ بازی، شطرنج، تاش یہ سب شوقیہ طور پر یا ٹائم پاس کرنے کے لیے کرنا بھی فضولیات میں سے ہے۔

ایک مسلمان کے زہد میں جو چیزیں مزید نکھار پیدا کرتی ہیں وہ تین ہیں۔ امام ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں زہد میں معاون ہیں۔

1 بندہ یہ یقین کر لے کہ ''دنیا کی حقیقت ختم ہو جانے والے سایہ کی طرح ہے۔ اور آنے جانے والے خیالات کی طرح ہے''۔

شیخ رحمہ اللہ نے اس حوالے سے بالکل سچ فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہم قرآن مجید میں تدبر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف انداز اور اسلوب سے دنیا کی بے ثباتی کو جچے تلے انداز میں ذکر فرمایا ہے۔

اس سے دنیا کی اصلیت خاص کر آخرت کے مقابلہ میں اہلِ ایمان کی نظروں میں کُھل کر سامنے آتی ہے۔

ان مقامات پر غور کرنے سے جہاں دنیا کی حقیقت واضح ہوتی ہے وہاں یہ پیغام بھی سامنے آتا ہے کہ اس کو اپنا مقصودِ اصلی یا مسکن ابدی نہ جانو، لہٰذا اس سے اتنا ہی تعلق رکھو جتنا تمہیں یہاں رہنا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَدِرًا﴾ [الکھف:45]

ترجمہ: ''ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال (بھی) بیان کرو جیسے پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں اور اس سے زمین کا سبزہ ملا جلا (نکلتا) ہے، پھر آخر کار وہ چورا چورا ہو جاتا ہے جسے ہوائیں اڑائے لیئے پھرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

www.islamfort.com

بالکل یہی حالت انسان کی ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے تو وہ کتنا بے بس اور محتاج ہوتا ہے جس طرح زمین سے اُگنے والا سبزہ ہواؤں کے رحم وکرم پر ہوتا ہے پھر یہ انسان بچپن سے جوانی کی طرف آتا ہے، ایسے ہی زمین سے نکلنے والا یہ سبزہ اب کھیت وکھلیان کی صورت میں یا تناور درخت کی صورت میں سامنے آتا ہے اور پھر انسان بوڑھا ہوجاتا ہے تو دوسروں کا محتاج ہو کر رہ جاتا ہے اور پھر اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ جس طرح کھیتی پک کر کٹ جاتی ہے اور زمین ایسا منظر پیش کرتی ہے جیسے یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ ایسا ہی حال انسان کا بھی ہوتا ہے پھر وہ ایک بھولی بسری داستان ہو کر رہ جاتا ہے۔

بلکہ یہاں تک ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ [العنکبوت:64]

ترجمہ: ''اور نہیں ہے یہ دنیوی زندگی مگر دل لگی، اور کھیل کود (کھیل تماشا) اور بلاشبہ اُخروی گھر یقیناً وہی (اصل) زندگی ہے کاش وہ جانتے ہوتے''۔

اس مثال پر بھی غور کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ کھیل تماشہ کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتے اس طرح یہ دنیا کی زندگی بھی کچھ عرصے کے بعد فنا ہوجانے والی ہے۔

اس دنیا کی کثرت، حرص اور اس کی چمک دمک نے انسان کو اس کے اصل مقصد سے غافل کر دیا ہے۔ اس لئے تنبیہاً ارشاد فرمایا:

﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ (1) حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ [التکاثر:1،2]

ترجمہ: ''مال کی کثرت نے تمہیں غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے''۔

انسان دنیا کے مال کے تعلق سے یہی سمجھتا ہے کہ:

﴿يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ﴾ [الہمزۃ:3]

ترجمہ ''گمان کرتا ہے کہ یہ مال ہمیشہ میرے پاس رہے گا''۔

www.islamfort.com

اور وہ اس دھوکہ میں رہتے ہوئے شیطان کے بہکانے کا شکار نہ ہو جائے۔ اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ﴾ [لقمان:33]

ترجمہ: ''کہیں تمہیں شیطان اللہ کے حوالے سے دھوکے میں نہ ڈال دے''۔

اور پھر اس غرور کی وضاحت فرمادی۔

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ [آل عمران:185]

ترجمہ: ''اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے''۔

یعنی دنیا کو صرف متاع نہیں بلکہ متاع غرور کہا ہے اہل عرب متاع کا لفظ بہت ہی گھٹیا اور کم تر شے پر استعمال کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس لفظِ متاع کو اس کپڑے پر بھی بولتے تھے جو عورت مخصوص ایام میں استعمال کرتی ہے۔

2 دوسرے نمبر پر وہ یہ بھی یقین کرلے کہ اس دنیا کے آگے بہت بڑا گھر ہے جو قدر و منزلت کے اعتبار سے اس دنیا کے مقابلے میں اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اسی لئے اس کا مختلف ناموں سے قرآن مجید میں تعارف کروایا گیا ہے۔

جیسے دار الآخرۃ، دار القرار، دار السلام۔ والآخرۃ خیر وابقی[1] نیز اس حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہمیں یہ درس ملتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا»۔

''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا ابتدا اسلام میں، اب تم اس کی زیارت کیا کرو''

یہ روایت صحیح مسلم کی ہے جبکہ ترمذی میں یہ الفاظ «تذکر الموت» ''اس سے موت کی یاد گیری رہتی ہے''۔

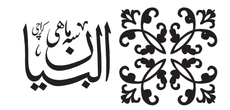
ابن ماجہ کی روایت میں جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں یہ الفاظ بھی ہیں

«و تزهد فی الدنیا» ''قبرستان جانے سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے''۔

---

[1] لہٰذا وہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی اور کبھی ختم نہ ہونے والے عیش آرام کو حاصل کرنے کے لیے وہ ہمیشہ اللہ رب العزت کی رضا کا متلاشی رہے اور اس کی معصیت سے ڈرتا رہے۔

www.islamfort.com

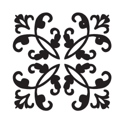
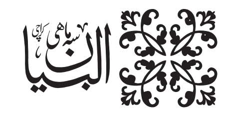
3 تیسری بات یہ ہے کہ وہ اس چیز کو اپنے ایمان کا حصہ بنالے کہ جو چیز اللہ رب العزت نے اس کی قسمت میں لکھ دی ہے وہ اس کے زہد کے سبب سے اس کی دینداری کی وجہ سے اس سے دور نہیں ہوئی اور اگر وہ چیز اس کی قسمت میں نہیں ہے تو وہ جتنی بھی کوشش کرلے وہ اسے حاصل نہیں ہوگی یعنی وہ اللہ کی تقدیر پر صابر اور شاکر رہے۔

جب تقدیر پر ایمان کی یہ کیفیت ہوجائے کہ کسی چیز کے حاصل نہ ہونے پر مغموم نہ ہو بلکہ اس کا دل تقدیر کے اس فیصلے کے آگے مطمئن ہوجائے تو یہ زہد کی معراج ہے۔تقدیر پر ہمارے اسلاف کس قدر یقین رکھتے تھے اور کیسا یقین رکھتے تھے اس کا اندازہ اس واقعے سے لگائیں۔جو علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے طبقات حنابلہ کے ذیل میں لکھا ہے انتہائی دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔

محدث عراق جو مسند عراق کے لقب سے معروف ہیں،یعنی امام ابوالفتح محمد بن عبدالباقی کا بیان ہے کہ میں مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر تھا،ایک دن مجھے بھوک نے ستایا،میرے پاس کچھ نہ تھا،بھوک سے میری حالت نڈھال ہوتی چلی گئی،اس حال میں چلتے ہوئے مجھے ایک بٹوا راستے سے ملا،یہ بٹوا ریشم کا تھا،اور ریشم کی ڈوری سے بندھا ہوا تھا،اپنے گھر پر لاکر جب اسے کھولا تو دیکھا موتیوں کا ہار اس میں رکھا ہوا ہے ایسے موتی میں نے زندگی میں نہیں دیکھے تھے،میں نے اسی حال میں اسے رکھ دیا،گھر سے باہر نکلا تو ایک شخص پکار رہا تھا،میرا بٹوا گم ہوگیا ہے جس میں موتیوں کا ہار تھا،جو صاحب مجھے اس کا پتہ دیں گے ان کو پانچ سو دینار بطور انعام دوں گا،یہ دیکھ کر میں نے اس کو بلایا،اور اسے ساتھ لیکر اپنے گھر پر آیا،اس سے بٹوا کے متعلق اور موتیوں کی تعداد وغیرہ کے بارے میں پوچھا اور اس نے سب صحیح بیان کردیا،تب میں نے وہ بٹوا ان کے حوالے کردیا،وہ بڑا احسان مند ہوا اور حسب وعدہ مجھے پانچ سو دینار دینے لگا،مگر میں نے شکریہ کے ساتھ وہ واپس کردیں،انہوں نے اصرار بھی کیا،تو بھی میں نے لینے سے انکار کردیا،امام محمد رحمہ اللہ بن عبدالباقی کی امانت ودیانت کی یہ داستان تو خیر معمولی قصہ ہے،وہ چاہتے تو موتیوں کے اس ہار کو دبانے کے لئے حیلوں بہانوں کا سہارا لے سکتے تھے،مگر انہوں نے تو پانچ سو دینار بھی قبول کرنے سے انکار کردیا،یہ



www.islamfort.com

محدث عراق کی نیکی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آگئی تھی، جس کا نتیجہ یہ نکلا خود شیخ محترم کا بیان ہے کہ کچھ دنوں کے بعد میں مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا، کشتی پر سوار ہو کر جا رہا تھا، کہ سمندر میں طوفان آ گیا، کشتی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی، اکثر مسافر ڈوب گئے، میں ایک تختہ پر بیٹھ کر سمندر کے کنارے ایک الگ جزیرہ میں آ گیا، وہاں لوگوں کے پاس گیا، وہ الحمدللہ مسلمان تھے، وہاں مسجد میں جا ٹھہرا، نمازی نماز کے لئے آئے تو مجھ سے تعارف ہوا میں نے جو گزری تھی بیان کی لوگ مجھ سے مانوس ہو گئے، میں وہاں مقیم ہو گیا انہیں اور ان کے بچوں کو تعلیم دینے میں مصروف ہو گیا۔

وہ میری شادی کی فکر کے حوالے سے میرے پاس آئے اور کہا: کہ "ہمارے یہاں ایک مالدار یتیم لڑکی ہے، تم سے بہتر اسے کوئی شوہر نہیں مل سکتا" اس لئے ہماری خواہش ہے کہ اس لڑکی سے آپ نکاح کر لیں، بالآخر اس لڑکی سے عقد نکاح ہو گیا، جب خلوت میں بیوی سے ملا تو میری حیرت کی انتہاء ہوگئی، کہ موتیوں کا وہ ہار جو بٹوا میں ملا تھا وہ بعینہ اس کے گلے میں ہے، میں نے اس ہار کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ وہ اس محترم کی بیٹی ہے جس کا ہار گم ہو گیا تھا، اس نے واپس گھر آ کر ہار گم ہونے کا سارا قصہ ذکر کیا اور کہا جس شخص سے یہ ہار مجھے واپس ملا کاش اس شخص سے میری دوبارہ ملاقات ہو جائے تو اپنی لڑکی سے اس کا نکاح کر دوں۔ مگر اسی دوران ان کا انتقال ہو گیا۔ اس لڑکی کے علاوہ اس کی اور کوئی اولاد نہ تھی، وہی اس کی وارث ہوئی، شیخ فرماتے ہیں کہ "میری اس بیوی کے بطن سے اولاد بھی ہوئی بیوی انتقال کر گئی، کچھ دن بعد میرے وہ بچے بھی وفات پا گئے، اور یوں بالآخر یہ ہار وراثۃً میرے پاس آیا، جسے میں نے ایک لاکھ دینار میں فروخت کیا"۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میرے پاس جو کچھ مال و متاع ہے یہ اس ایک لاکھ دینار سے حاصل شدہ ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

www.islamfort.com



زھد وتقویٰ

اور ہمارے اسلاف

جمشید سلطان اعوان[1]

مقدمہ

«إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرورِ أنفسنا وسيئاتِ أعمالنا، مَنْ يهْدِهِ اللهُ فلا مُضِلَ له ومَنْ يُضْلِلْ فلا هَادِيَ له، وأشهد أن لا إله إلا الله الواحد القهار شهادة أدخرها ليومٍ تذهل فيه العقول وتشخصُ فيه الأبصار»

دنیا مستقل رہنے کی جگہ نہیں بلکہ سفر کی اور گزر جانے کی ہے جبکہ ٹکنے کی جگہ نہیں، عبرت کی جگہ ہے اور عیش وعشرت کا مقام نہیں۔ اور انسان محض اس میں ایک مسافر کی طرح ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آخرت کو دار القرار کا نام دیا ہے۔ دنیا کا غنی دراصل فقیر ہے، اس کا عزیز حقیقت میں ذلیل ہے، اس کی ہر شے کو فنا ہے اور اس کی محبت کو جفا ہے، اس کے عروج کو زوال ہے اس کی لذتیں معدوم ہونے والی، اس کی مجالس برخواست ہونے والی، بصیرت والی نظریں اس کی نعمتوں کو ابتلا وامتحان ہی گردانتی ہیں، مسکین ہیں وہ روحین جو اس کی نعمتوں پر ہی راضی ہو بیٹھی ہیں یہ دنیا پر جس کے حلال کا حساب دینا ہوگا اور اس کے حرام کے اختیار پر عقاب ہوگا، جس کا غنی فتنہ میں گھرا ہے اور اس کا فقیر غم وحزن میں مبتلا ہے، کوئی عقلمند کس طرح دنیا ہی پر مطمئن ہوسکتا ہے کیسے کوئی عاقل اس دار رفاقت پر اکتفا کرسکتا ہے کیوں کر کوئی ہنس سکتا ہے جبکہ اس کی چاروں طرف ہم وغم کی، آہ وبکا کی فضا ہو اس کے بدلے کیسے کوئی جنت کو بیچتا ہے اور بقا کے بدلے فنا کو خرید لیتا ہے۔

ضرورت اس بات کی کے کہ ہم اس کی تیاری کریں جس کو دنیا کے برعکس بقا ودوام ہے جس کی کامیابی

[1] ریسرچ اسکالر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

www.islamfort.com

حق ہے جس کی زندگی لامحدود ہے ہمیں ان صفات کا حامل ہونا چاہئے جس چیز سے ہماری زندگی خالی ہوتی جارہی ہے اور بہت تلاش کرنے پر بھی کوئی شخص اس صفت کا حامل نہیں ملتا ہے اور وہ جنس اتنی کمیاب بلکہ نایاب ہوچکی ہے کہ اب دن کی روشنی میں بھی تلاش کرنے سے اس صفت سے متصف لوگ نہیں ملتے ! جس گراماں صفات کے بارے میں، یہ تمہید باندھی ہے اس کا نام زہد وتقویٰ اور ورع ہے۔ ہماری زندگی میں عبادات موجود مگر دل کا تقویٰ وورع ناپید ہے اگرچہ ہماری عبادات میں بھی تشویشناک کمی ہوگئی ہے خشوع وخضوع یعنی اللہ کا خوف، خشیت الٰہی تقریباً ناپید ہے (الامن رحم ربی اللہ) تاہم موضوع ہذا میں ہم زہد وورع اور سلف الصالحین کے نزدیک زہد وتقویٰ کا کیا معیار تھا بیان کرنے کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ اور ہم ابتدا زہد کی تعریف سے کرتے ہیں اور اختتام میں ہم اس غلط فہمی کی نشاندہی بھی کریں گے جس طرح زہد کی غلط صورت رائج ومعروف ہے وباللہ التوفیق۔

زہد کی تعریف اور ائمہ کرام کے اقوال

امام جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

«الزهد في اللغة ترك الميل إلى الشيء،وقيل:هو ترك راحة الدنيا طلبًا لراحة الآخرة »[1].

ترجمہ:"زہد دراصل کسی چیز کی طرف میلان کو ترک کرنا ہے،بعض نے اس کی یہ تعریف بیان کی ہے" دنیا کی راحت کو آخرت کی راحت حاصل کرنے کے لئے ترک کرنا زہد کہلاتا ہے"۔

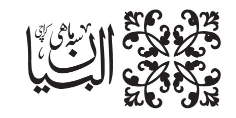
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ زہد کی تعریف میں فرماتے ہیں:

«الزهد:هو ترك ما لا ينفع في الآخرة»

ترجمہ": ہر وہ چیز جو آخرت میں فائدہ نہ دے اسے ترک کرنا زہد کہلاتا ہے"۔

[1] التعريفات للجرجانی:ص،115

www.islamfort.com

زہد کے مفہوم ومقصد کے حوالے سے اقوالِ سلف

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: «تمام التقوى أن يتقي الله العبد، حتى يتقيه من مثقال ذرة، وحتى يترك بعض ما يرى أنه حلال، خشية أن يكون حراما، حجابا بينه وبين الحرام»[1]۔

ترجمہ: ''کامل تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ڈر جائے حتیٰ کہ ذرہ ذرہ کے بارے میں اسے اللہ کا خوف ہو اور حرام کے خوف سے چند حلال چیزیں بھی ترک کر دے تا کہ وہ حرام سے مکمل طور پر بچ جائے''۔

ابراہیم بن ادہم کہتے ہیں کہ «الْوَرَعُ تَرْكُ كلّ شُبهةٍ، وترك مالايعنيك هو ترك الفضلات»[2]

ترجمہ: ''زہد وورع یہ ہے کہ ہر مشکوک ومشتبہ چیز، اور ہر غیر ضروری معاملے سے بچا جائے، اور فاضل و زائد اشیاء کو ترک کر دیا جائے''۔

امام ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے: «إنما سموا المتقين؛ لأنهم اتقوا ما لا يُتَّقى »[3].

ترجمہ: ''متقین اس لئے متقی کہلائے کیونکہ انہوں نے ہر وہ چیز ترک کر دی جس سے بچنے کا حکم تھا''۔

اور کسی سلف کا قول ہے کہ: «الْوَرَعُ الْخُرُوجُ مِنَ الشَّهَوَاتِ، وَتَرْكُ السَّيِّئَاتِ»[4]

ترجمہ: ''زہد وتقوی شہوات سے نکلنا اور گناہوں کو چھوڑ دینا ہے''۔

یونس بن عبید نے زہد کی تعریف یوں کی: «الْوَرَعُ الْخُرُوجُ مِنْ كُلِّ شُبْهَةٍ، ومحاسبة النفس في كلِّ طرفة عين»[5]

ترجمہ: ''ہر قسم کے شبہ سے بچنا اور ہر لمحہ کا محاسبہ کرنا ورع وتقویٰ کہلاتا ہے''۔

---

[1] كتاب الزهد لابن المبارك (19/2)، اور ابونعیم کی (الحلية) (212/1)، اور ابن عساکر کی (تاريخ دمشق) (160/47)

[2] مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين (2/ 24)

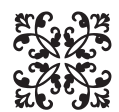
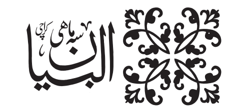
[3] جامع العلوم والحكم لابن رجب ص 209

[4] مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين (2/ 24)

[5] حواله مذكوره (2/ 24)



www.islamfort.com

زہدوتقویٰ کے فضائل

سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا قول ہے:«جلساء الله تعالى غدًا أهل الورع والزهد» [1]

ترجمہ:''کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم مجلس زاہد اور متقی لوگ ہوں گے''۔

امام سفیان الثوری رحمہ اللہ زہد کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ:«عليك بالورع يخفف الله حسابك،ودع ما يريبك إلى مالا يريبك،وادفع الشك باليقين يسلم لك دينك» [2]

ترجمہ:''تم زہدوتقویٰ کو لازم پکڑ لوتمہارا حساب آسان ہوگا اور وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے شک میں ڈالے، اور اسے اختیار کر جس کی بابت تجھے شک وشبہ نہ ہو۔ اور شک کو یقین سے رفع کرو تمہارا دین محفوظ ہوجائیگا''۔

بعض صحابہ کرام سے منقول ہے جن میں سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں:«كنا ندع سبعين بابًا من الحلال؛مخافة أن نقع في بابٍ من الحرام»۔ [3]

ترجمہ:''ہم ستر سے زائد حلال چیزیں ترک کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں ہم حرام میں نہ پڑ جائیں''۔

لیکن ورع اور زہد کے مفاہیم کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ زہدوتقویٰ اور ورع کے غلط مفہوم نے امت اسلامیہ کو افراط وتفریط کے نہج پر گامزن کر دیا اور منہج سلف صالحین سے بہت دور کر دیا جبکہ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ کے منہج سے ہی زہدوتقویٰ کی مثالیں ہمارے لئے مشعل راہ ہونی چاہئیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ [البقرۃ:137]

ترجمہ:''پھر اگر وہ اس جیسی چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو یقیناوہ ہدایت پا گئے''۔

---

[1] حواله مذكوره(2/ 22)

[2] الورع لابن أبي الدنيا ص:(112)

[3] مدارج السالكين ابن القيم۔ (ج 2،ص25)



www.islamfort.com

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ »
''سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں پھر اس کے بعد والے اور پھر اس کے بعد آنے والے''۔[1]
ذیل میں ہم اسی زمانے کی چند مثالوں سے جانتے ہیں کہ سلف صالحین کے نزدیک ورع اور تقویٰ کا کیا معیار و نمونہ تھا۔ و الله ولیّ التوفيق والقادر عليه ۔

زہدوتقویٰ کے چند سنہرے واقعات

[1] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب فتوحات کا سلسلہ جاری تھا تو آپ کی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے ابا جان ! آپ کچھ اچھے قسم کے لباس اپنے لئے سلوالیں کیونکہ آپ کے پاس بہت سے وفود نے آنا ہوگا اور کچھ اچھے قسم کے کھانے پکوایا کریں تا کہ آپ بھی کھائیں اور جو وفد آپ کے پاس آئیں انہیں بھی کھلائیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیا تم نہیں جانتی کہ کسی بھی انسان کو سب سے زیادہ اس کے اپنے گھر والے جانتے ہیں ! انہوں نے کہا کہ جی ہاں ! تمہیں قسم ہے اللہ کی کیا تمہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کے فلاں فلاں سال میں خود بھی کچھ نہیں کھایا اور ان کے گھر والے بھی بھوکے رہے اور کئی راتیں ایسی گزریں کہ صبح تک کچھ نہیں کھایا اور کئی دن ایسے گزرے کہ رات تک کچھ نہیں کھایا ؟ تمہیں قسم ہے اللہ کی کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فلاں سال میں کھجور تک نہیں کھائی یہاں تک کہ اللہ تعالی کی مدد سے خیبر فتح ہوگیا ! تمہیں قسم ہے اللہ کی کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو لباس پہنتے تھے اسے اگر دھوتے تو اس وقت تک نماز کے لئے نہیں نکلتے جب تک کہ وہ خشک نہ ہو جائے تا کہ وہی لباس پہن کر نماز کے لئے آجائیں یہ کہتے کہتے آپ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی رلا دیا۔ یہاں تک ایسا خوف محسوس ہوا کہ آپ کی روح ہی نہ نکل جائے ۔[2]

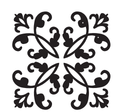
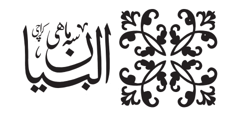
[2] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں

---

[1] بخاري حديث : 2509 ومسلم حديث :6635

[2] إحياء علوم الدين، بيان فضيلة الزهد:2279/5

www.islamfort.com

نے جواب دیا کہ کیا کبھی آپ کو ایسی پگڈنڈی پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے کہ جس کے دونوں جانب کانٹے دار جھاڑیاں ہوں تو فرمایا ہاں، جناب ابی بن کعب نے عرض کیا پھر آپ نے اس وقت کیا کیا یعنی راستے سے کیسے گزرے۔فرمایا میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے دامن کو سمیٹا اور پوری احتیاط کے ساتھ چلنے لگا کہ کوئی کانٹا مبادا میرے کپڑے کو چاک نہ کرے۔فرمایا اسی کا نام تقویٰ ہے۔یعنی نفس اور شیطان کے بہکاوے کے درمیان احتیاط کے ساتھ احکام الٰہی کو ذہن میں رکھ کر زندگی گزارنے کا نام تقویٰ ہے۔

③ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے اشارہ کر رہا تھا انہوں نے اس شخص سے فرمایا، دیکھو جب بات کرو تو بائیں ہاتھ سے اشارہ نہ کرو، داہنے ہاتھ سے اشارہ کرو،اس پر وہ شخص کہنے لگا، میں نے آج تک ایسا تعجب خیز واقعہ نہیں دیکھا آج ایک شخص نے اپنے سب سے محبوب اور چہیتے کو قبر میں اتارا ہے (اسی دن ان کے چہیتے بیٹے جو علم وفضل میں بھی بڑا درجہ رکھتے تھے، کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کو دفن کر کے جناب عمر بن عبدالعزیز واپس آرہے تھے)اور پھر اس کو میری فکر ہے کہ میں داہنے ہاتھ سے اشارہ کر رہا ہوں یا بائیں ہاتھ سے، جناب عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ جب اللہ نے کسی شئے کو اپنے لئے پسند کرلیا ہے تو اس کے ذکر کو چھوڑ دو، یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ اللہ آپ کو بہتر بدلہ دے۔جناب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرمایا نہیں بلکہ اللہ اسلام کو میری جانب سے بہتر بدلہ دے''۔[1]

آج ہماری عمومی حالت یہ ہے کہ غم تو دور کی بات خوشی کے موقع پر بھی ہم اپنے قابو میں نہیں رہتے اور بے دھڑک اسلامی فرائض ،شعائر آداب کو ترک کرتے چلے جاتے ہیں۔اس واقعہ سے یہ بھی نصیحت ملتی ہے کہ غم چاہے کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو لیکن اسلام کے تقاضوں کا خیال سب پر مقدم ہے۔چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے باوجود شدید غم واندوہ کے اسلام کے اس حکم پر عمل کیا کہ «الدین النصیحة» یعنی ''دین خیر خواہی کا نام ہے'' تو اگر کوئی ایسا کام کر رہا ہے جو اسلام کے خلاف ہے تو اس کو صحیح بات بتائی جائے یہی

[1] حلية الأولياء(326/5) ،كتاب الزهداز امام أحمدبن حنبل (301/300)



www.islamfort.com

خیر خواہی کا تقاضا ہے۔کیا آج ہم اس کے بارے میں کچھ سوچتے ہیں؟

④ بعض خلفاء کے بارے میں آتا ہے کہ وہ علمائے کرام کو تحائف بھیجتے تو وہ قبول کر لیتے ایک مرتبہ فضیل بن عیاض کو دس ہزار دینار بھیجے تو انہوں نے قبول نہیں کیئے تو ان کے بیٹوں نے کہا کو قبول کر لیں آپ سے پہلے فقہا بھی قبول کرتے رہے ہیں آپ محتاج بھی ہیں تو فضیل بن عیاض رونے لگے اور کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری اور میری مثال کیا ہے؟ ہماری مثال اس قوم کی سی ہے جس کی ایک گائے تھی اور وہ اس سے ہل چلاتے تھے جب وہ بوڑھی و بیمار ہوگئی تو اسے ذبح کر دیا تا کہ اس کی کھال سے فائدہ اٹھا سکیں تم بھی یہی چاہتے ہو کہ تم مجھے بڑھاپے میں ذبح کردو، فضیل کو ذبح کرنے سے بہت بہتر ہے کہ بھوکے رہو (مر جاؤ)۔[1]

اللہ اکبر! فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے کس طرح ہر قسم کی خوش آمد اور اس کے شبہ سے بھی بچنے کی تلقین کی اور اس کھانے سے موت کو فوقیت دی جس رزق سے انسان کی آخرت میں مشکلات ومصائب پیدا ہوں۔

⑤ حافظ ذکی الدین عبدالعظیم المنذری جن کی کتاب الترغیب والترہیب بہت مشہور ومعروف ہے ان کے حالات میں یہ واقعہ ملتا ہے:

میں نے ایک مرتبہ اپنے والد سے سنا وہ حافظ دمیاطی کے واسطہ سے نقل کر رہے تھے کہ ایک مرتبہ وہ (حافظ منذری) حمام سے نکلے، گرمی اتنی سخت تھی کہ قدم بڑھانے کی ہمت نہ رہی چنانچہ راستے میں ہی ایک دکان کے قریب لیٹ گئے۔حافظ دمیاطی نے عرض کیا، آپ یہاں دھوپ میں کیوں لیٹے ہیں میں آپ کو دکان کے چبوترے پر لے چلتا ہوں وہاں آرام سے بیٹھئے۔(دکان اس وقت بند تھی) شیخ منذری نے فرمایا حالانکہ ان کو گرمی سے سخت تکلیف ہو رہی تھی، دکان کی مالک کی اجازت کے بغیر میں کیسے چبوترے پر بیٹھ جاؤں، اور بالآخر نہیں بیٹھے۔[2]

---

[1] إحیاء علوم الدین، بیان فضیلة الزهد 4/ 244

[2] طبقات الشافعیة الکبری شیخ تاج الدین ابن السبکی : 5/ 109

www.islamfort.com

اس واقعہ میں بھی ہمارے لئے نصیحت اخذ کرنے کا پہلو یہ ہے، آج ہم کس طرح دوسروں کے گھر مکان کے درودیوار سے سایہ یا کسی اور شئے کا بغیر اجازت فائدہ اٹھانا تو الگ رہا نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ایک اور چیز کی طرف غور کیجئے ہمارے معاشرے میں اشتہار بازی، جو سال کے بارہ مہینوں کی جاتی ہے۔کوئی بھی موقع ہوکوئی بھی تقریب یا تشہیر ہوآپ کی دیوار پر بغیر آپ کی اجازت کے پوسٹر چپکا دیئے جائیں گے اور اگر آپ نے اعتراض کیا کہ اس سے دیوار خراب ہوتی ہے تو بجائے اس کے کہ خود شرمندہ ہوں الٹا آپ کو شرمندہ کریں گے۔

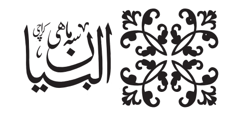
آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کسی کھیت سے گزریں ، باغ سے گزریں کچھ نہ کچھ لے آتے ہیں مالک کی اجازت اور رضا کے بغیر، کہیں ہمارے دل میں یہ اللہ کا خوف بھی نہیں آتا کہ کل قیامت کے دن ہم سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔

آج آفس میں کام کرنے والوں کا بھی یہ حال ہے خصوصاً سرکاری آفسوں میں کہ دھڑلے سے آفس میں گھر کا کام کرتے ہیں، کبھی یہ خیال نہیں گزرتا یہ وقت ہم نے سرکار کے ہاتھوں بیچ رکھا ہے اور اس میں ذاتی کام نہ کریں بلکہ وہی کام کریں جس کے لئے ہمیں یہاں ملازم رکھا گیا ہے۔

⑥ امام سبکی رحمہ اللہ نے ہی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ گھر کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران ایک کتا سامنے سے آیا، انہوں نے اس کتے کو دھتکارتے ہوئے کلب بن کلب کا لفظ استعمال کیا۔یہ سن کر میرے والد نے گھر کے اندر سے مجھے ڈانٹا میں نے والد صاحب سے عرض کیا کہ کیا وہ کلب بن کلب یعنی کتے کا بچہ کتا نہیں ہے فرمایا یہ تو صحیح ہے کہ وہ کتا کا بچہ کتا ہے لیکن تمہارے لہجے میں جو حقارت تھی وہ صحیح نہیں ہے۔

جانوروں کی بات چھوڑ دیجئے ،انسانوں کی بات کیجئے ،اپنے ماتحتوں ،زیردستوں اور معاشی طور پر کمزور لوگوں سے ہمارا بولنے کا انداز کیسا ہوتا ہے کبھی ہم نے غور کیا ہے؟۔اگر کسی ملازم سے کوئی غلطی ہوجائے تو ہم اس کی سات پشتوں تک کو دھنک ڈالتے ہیں۔ یاد رکھئے جو کچھ ہم بول رہے ہیں وہ سب محفوظ

www.islamfort.com

ہو رہا ہے اور کل قیامت کے دن فرد جرم پیش کر دی جائے گی اور اس وقت کی ندامت کسی کام نہ آئے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (36)﴾ [الأسراء: 36]

ترجمہ: ''بیشک کان اور آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک، اس کے متعلق سوال ہوگا''۔

(7) امام ابن حازم کی زوجہ نے ان سے کہا کہ سردی کا موسم آچکا ہے اور ہمیں لازمی طور پر گرم کپڑوں، کھانا اور لکڑیوں کی ضرورت ہے تو آپ نے جواب دیا کہ یہ تو بہت لازمی ہیں مگر ان سے بھی زیادہ اہم موت کی تیاری اور مرنے کے بعد کی زندگی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا اور جنت وجہنم کی فکر ہے۔ [1]

ذرا غور کریں کہ کیسے امام ابو حازم نے احسن انداز میں اپنی بیوی کی طلب کو بھی اہمیت دی مگر ان کی اہم مقصد کی طرف بھی توجہ دلائی اور یہی احسن طریقہ ہے اپنے گھروں کی اصلاح کا۔

علامہ ابن عابدین نے «ردالمحتار علی الدرالمختار» میں امام ابو یوسف کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو رونے لگے، کسی نے عرض کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں حالانکہ آپ نے اس طرح کے بے لاگ اور عدل وانصاف سے فیصلے کئے۔ فرمایا میں اس لئے رو رہا ہوں کہ ایک مرتبہ میں نے عدل کا خیال نہیں رکھا، معاملہ ہارون رشید اور ایک نصرانی کا تھا۔ اس نصرانی نے ہارون رشید پر دعویٰ دائر کیا تھا میں نے باوجود اس کے کہ ہارون رشید کے خلاف فیصلہ کیا تھا لیکن میرے دل میں چاہت تھی کہ ہارون رشید صحیح نکلے اور نصرانی کا دعویٰ غلط ہو۔ [2]

کیا امام ابو یوسف اپنے وقت کی سب سے بڑی سلطنت کے قاضی القضاۃ کے اس واقعہ میں ہمارے لئے کچھ اثر پذیری ہے۔ آج ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو حق اور ناحق کو دیکھے بغیر صرف اپنے رشتہ

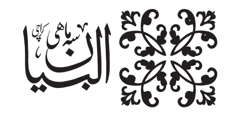
---

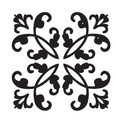
[1] إحياء علوم الدين، بيان فضيلة الزهد 224/4

[2] القضاء فی الاسلام. ص25



www.islamfort.com





دار، اپنا خاندان، اپنا قبیلہ، اپنی برادری، اور اپنی یونین دیکھتے ہیں۔ آج ہمارے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم یہ دیکھیں کہ حق کیا ہے ناحق کیا ہے بس ہم دوڑ پڑتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کا مطالبہ کیا ہے؟ ہماری یونین کی فرمائش کی لسٹ کیا ہے؟۔ وکلا یہ دیکھنے کی قطعی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ ان کا موکل صحیح ہے یا غلط، مقدمہ کی پیروی جو کی جارہی ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟ ان کا ہر حال میں ایک ہی مطمع نظر رہتا ہے کہ ہم نے فیس لی ہے اور اب ہمیں اپنے موکل کو بری کرانا ہے خواہ وہ قاتل ہو، زانی ہو، ڈاکو ہو، چور اور لیٹرا ہو، ملک اور ملت سے بغاوت کرنے والا ہو۔ دلیل بس وہی ایک گھسی پٹی ہوتی ہے کہ عدالت کے فیصلے سے پہلے کوئی مجرم نہیں ہوتا۔ اللہ کے بندے کیا قرینہ حال سے بھی کچھ معلوم نہیں ہوتا؟۔ کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر اور وکیلوں سے کچھ نہیں چھپایا جاتا۔ تو کیا جب کوئی مجرم کسی وکیل کے پاس آکر اپنے کارنامے سنا کر اس سے اس کا طالب ہوتا ہے کہ وہ اس کا مقدمہ لڑے اور اس کو بری کرائے کیا تب بھی اس کو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ معلوم سب ہوتا ہے لیکن ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے۔

زہد وورع کی بابت ایک غلط فہمی کا ازالہ

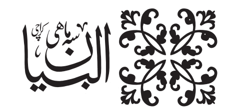
یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ زہد وتقویٰ کا مطلب کسی بھی طرح دنیا سے بیزاری کا نام نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں میں ایک تصور پایا جاتا ہے۔

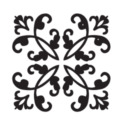
ہمیں زہد کی وہ صورت اپنانی اور بتانی چاہیے جو رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار کی کیونکہ بالاجماع ان سے زیادہ زاہد کوئی نہیں ہوسکتا اگر کوئی یہ سمجھتا ہے تو وہ خطا پر ہے اسے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے۔

رسول اللہ ﷺ کے ہاں ہمیں ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی نظر آتے ہیں جو بمشکل دولبادوں میں ملبوس، صفہ پر بیٹھے، کاروبارِ زندگی میں بھی کچھ خاص سرگرم نہیں، بلکہ مسجد، علم اور جہاد وغیرہ کی سرگرمیوں تک ہی محدود ہیں اور زیادہ تر ان کی گزر صدقات وغیرہ پر ہی ہوتی ہے۔ جبکہ انہی اصحاب رسول ﷺ میں ہم ایسے ایسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم کو بھی دیکھتے ہیں جو کروڑوں اربوں پتی ہیں اور کاروبارِ زندگی میں بھی خوب سرگرم،



www.islamfort.com





بلکہ فضیلت میں کئی کروڑ پتی صحابہ کئی غیر کاروباری صحابہ کی نسبت بلند تر درجے پر ہیں، بلکہ عشرہ مبشرہ قریب قریب سبھی کے سبھی خوشحال تاجر پیشہ ورلوگ ہیں اور صحابہ کے مابین سب سے افضل... پس ”زہد“ وغیرہ کی حقیقت اور مفہوم سمجھنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنھم کی وہ مجموعی تصویر ہماری نگاہ سے اوجھل نہیں ہوجانی چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے معاشرے کے اندر تشکیل دی تھی اور نہ ہی وہ ’تنوع‘ نظر انداز ہونا چاہیے جو صحابہ رضی اللہ عنھم کے مابین کمال انداز میں پایا گیا اور جس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ برقرار رکھا۔

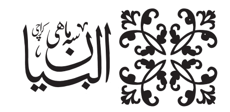
تو معلوم ہوا کہ ”زہد“، جیسا کہ سلف سے منقول ہے، یہ ہے کہ دنیا آدمی کے ہاتھ میں ہو نہ کہ دل میں، چاہے وہ کروڑوں کا مالک کیوں نہ ہو۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب اس دل میں کوئی ایسی حقیقت بسالی گئی ہو جس کے ہوتے ہوئے دنیا کے لیے اور دنیا کے کروڑوں اربوں کے لیے آدمی کے دل میں کوئی جگہ پائی ہی نہ جائے۔ اربوں کھربوں روپے بھی ہوں تو ان کو سمانے کے لیے دل میں نہیں ہاتھ ہی میں جگہ ملے!

یہ پیمانے بدل جانا ہی زہد کی اصل حقیقت ہے۔ دنیا جتنی بھی بڑی ہو اور جتنی بھی زیادہ حاصل ہوگئی ہو، پیمانہ آخرت کا ہو تو اس میں دنیا بھلا کیا حیثیت رکھے گی؟

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی زاہد نہیں ہوسکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے نو (9) گھر بسار کھے ہیں اور نو (9) گھروں کے حقوق بدرجۂ اتم ادا کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں سو بکریاں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخراجات کے لیے فدک میں زرعی زمین کا ایک قطعہ مختص ہے۔ گھر میں بڑی بڑی دیر تک کچھ نہیں پکتا تو یہ کوئی اس لئے تھوڑی ہے کہ ہاتھ خالی ہے! بلکہ اس لئے کہ دل بڑا ہے!!! «النبی أولیٰ بالمؤمنین من أنفسھم» یہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے جس کو مومنوں کی اس سے کہیں بڑھ کر فکر ہے جتنی کہ خود ان کو اپنی یا اپنے اہل خانہ کی فکر ہوسکتی ہے۔ یہ دنیا کی زاہد ترین جماعت کے قائد ہیں اور جماعتوں، تحریکوں اور انقلابات کی تاریخ میں سب سے بہتر اور سب سے روشن مثال پیش کرسکنے والے راہنما لہٰذا ان کے گھر میں مہینوں چولہا نہیں جلتا تو ان پہاڑ جیسی ذمہ داریوں کی وجہ سے، جن سے خود ان کے سوا کوئی واقف ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کے گھر میں بھوک بستی ہے تو اس لئے کہ یہ ایک ایسی

www.islamfort.com





قیادت کا گھر ہے جو سب کو کھلانے کے بعد کھانا گوارا کرتی ہے... ادھر جاہلوں نے سمجھ لیا کہ یہ مال دشمنی اور دنیا بیزاری ہے! اور یہ کہ اہلِ اسلام کا حصولِ رزقِ حلال کے محاذ پر جُتنا اور معیشت پر حاوی ہونا توکل اور زہد کے منافی ہے اور آخرت سے بے رغبتی!

سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، یہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا، یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور لا تعداد صحابہ رضی اللہ عنھم ہیں جو مارکیٹوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ مال ودولت کی ریل پیل ہے مگر دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور زبان پر خیال ہے تو صرف آخرت کا۔«اللهم لاعيش الاعيش الآخرة،فاغفر للأنصار والمهاجرة»!۔[1]

ترجمہ: ”اے اللہ! اصل زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے اے اللہ تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے“۔

امام احمد رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: کیا آدمی مالدار ہو کر زاہد ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں، اگر مال کا بڑھنا اس کو خوشی سے بے قابو نہیں کرتا اور مال کا گھٹنا اس کے لیے حسرت کا باعث نہیں بنتا۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زہد یہ نہیں کہ آدمی مال کو ہاتھ لگانے سے پرہیز کرے یا حلال اشیاء کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لے۔ زہد یہ ہے کہ جو خیر اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کا وثوق تمہیں زیادہ ہو بہ نسبت اس چیز کے جو تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ کہ مصیبت میں بھی تم اپنے آپ کو اللہ کی محبت وقربت کے احساس میں اسی طرح سرشار پاؤ جیسا کہ مصیبت نہ ہونے کے وقت۔ اور یہ کہ تمہاری ستائش کرنے والا شخص اور تمہاری مذمت کرنے والا شخص ہر دو تمہاری نظر میں ایک برابر ہو جائیں۔

خلاصہ کلام

یہ کہ زہد وتقویٰ حلال اور پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرنے کا نام نہیں۔ حلال کمائی میں بے رغبتی پیدا کر لینا اور کاروبارِ دنیا کو ناجائز سمجھنا یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اعراض کرنا زہد کا ایک نہایت غلط تصور ہے

[1] سنن ابن ماجة ،باب،أين يجوز بناء المسجد

www.islamfort.com

جو بد قسمتی سے یہاں کئی ایک طبقوں کے ہاں بری طرح راسخ ہوگیا ہے۔ جب کہ متقین و زہاد کے سردار امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی زہد وتقویٰ کا اعلیٰ ترین معیار تھا۔اس کی مثال ایک حدیث سے بخوبی واضح ہوسکتی ہے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''اصحاب النبی رضوان اللہ تعالیٰ عنھم میں سے ایک جماعت نے ازواج نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھریلو اعمال کے بارے میں سوال کیا تو ان میں سے بعض نے کہا میں عورتوں سے شادی نہیں کروں گا اور بعض نے کہا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا اور بعض نے کہا کہ میں بستر پر نیند نہیں کروں گا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور فرمایا قوم کو کیا ہوگیا ہے؟ کہ انہوں نے اس اس طرح گفتگو کی ہے حالانکہ میں نماز پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں''۔[1] اس حدیث میں ہمیں تمام وہ صورتیں جن سے دنیا سے بے رغبتی یا گوشہ نشینی اختیار کرنے کا دروازہ کھلتا ہو انہیں سرے سے ہی رد فرمادیا اور واضح اصول فرمادئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی زہد وتقویٰ کا عملی نمونہ تھی اللہ تعالیٰ نے بھی اسے بہترین نمونہ قرار دیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (21)﴾ [الأحزاب:21]

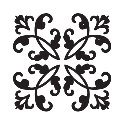
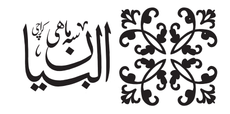
ترجمہ: ''بلاشبہ یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو''۔

اسی طرح حلال کمانا، اللہ کے پاکیزہ رزق کی تلاش میں نکلنا اور اس کے لیے صبح سے شام کردینی پڑے تو کردینا، اور اپنی اس کمائی سے والدین، اہل خانہ وغیرہ کے حقوق پورے کرنا، مقدور بھر اس سے صدقہ کرنا، دنیا میں اس مال سے حسب استطاعت، جہاد اور اللہ تعالیٰ کے دین کے مشن کو تقویت دینا، اور اپنی اس مجموعی روش سے اپنی امت کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا اور اہل اسلام کو ایک بیروزگار اور غیر پیداوار معاشرہ نہ رہنے

---

[1] صحیح البخاری: باب الترغیب فی النکاح

www.islamfort.com

دینا بلکہ غریب ناچار اور مسکینوں کی ہر ممکن مدد ونصرت اور ان کی مالی معاونت کرنا اور یوں مسلم معاشرے کو ایک باعزت، خود کفیل اور ایک غیر دست نگر معاشرہ بنانے میں مؤثر تر کردار ادا کرنا... یہ بھی عبادت کی ایک نہایت اعلیٰ وبرگزیدہ صورت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ﴿ان احب الناسِ إلى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ،يَكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً،أَوْ يَقْضِي عَنْهُ دَيْنًا،أَوْ يَطْرُدُ عَنْهُ جُوعًا﴾[1]

ترجمہ: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب بندہ وہ ہے جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہے جو ان کی مشکلات کو دور کرتا ہے یا ان کی طرف سے قرض ادا کرتا ہے یا ان کی بھوک مٹاتا ہے''۔

تو معلوم ہو کہ ان تمام صفات کا وہی حامل ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں فرمانبردار رہے اور اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرنا ہی ان نعمتوں کی شکر گزاری ہے اور انہیں دوسروں تک پہنچانا بھی عبادت بن سکتا ہے جیسا کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ﴿انما الاعمال بالنیات﴾[2] ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حقیقی معنوں میں زہد وتقویٰ نصیب فرمائے آمین

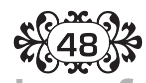
وما توفیقی الا باللہ تعالیٰ

وصلّی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

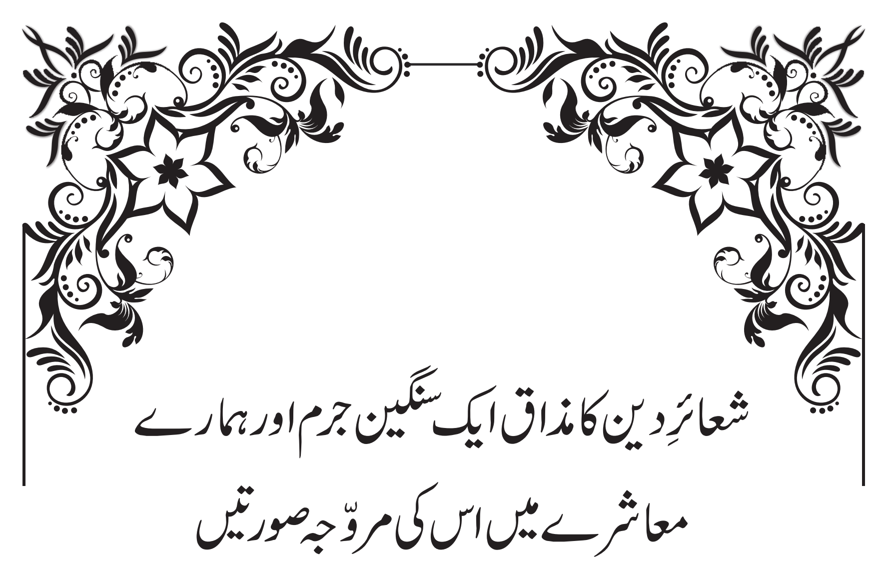
---

[1] رواه الطبراني،وحسنه الألباني،المعجم الكبير للطبرانی رقم:13646

[2] صحیح البخاری:باب کیف کان بدء الوحی



www.islamfort.com



شعائرِ دین کا مذاق ایک سنگین جرم اور ہمارے معاشرے میں اس کی مروّجہ صورتیں

خالد حسین گورایہ [1]

طنز ومزاح لطافت وظرافت انسانی مزاج کا خاصہ ہے ۔ایک حد تک شریعتِ مطہّرہ نے اس کی اجازت بھی دی ہے۔لیکن جب یہ چیز مقدّساتِ اسلام اور شعائر دین تک پہنچ جائے تو خطرناک صورت حال اختیار کرلیتی ہے۔اور بسا اوقات انسان ایمان جیسی عظیم دولت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

دین یا دین کے کسی شعیرہ سے مذاق بہت بڑا گناہ، اللہ تعالیٰ کی حدود کی پامالی، اور کفر کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے جس میں جاہل، ہیچ اور لاعلم لوگ گرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح کیا ہے کہ یہ کفار اور منافقین کا عمل ہے۔

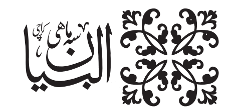
فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿ يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴾[التوبة/64-66]

---

[1] فاضل مدینہ یونیورسٹی



www.islamfort.com

ترجمہ: ''منافقوں کو ہر وقت اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت نہ اترے جو ان کے دلوں کی باتیں انہیں بتلا دے۔ کہہ دیجئے کہ مذاق اڑاتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر دبک رہے ہو۔ اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کہہ دیجئے کہ اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں۔ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی کر لیں تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے''۔

مذکورہ بالا آیت کا سببِ نزول ملاحظہ فرمائیں

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''غزوہ تبوک میں ایک شخص نے ایک مجلس میں مذاق اڑاتے ہوئے کہا: ''ہم نے اپنے ان قاریوں (اشارہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تھا) سے بڑھ کر پیٹ کا پجاری، زبان کا جھوٹا اور لڑائی کے میدان میں بزدل اور ڈرپوک نہیں دیکھا''

اس مجلس کے ایک دوسرے شخص نے کہا: ''تو جھوٹا ہے، منافق ہے، میں اس کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دوں گا'' جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو اس بارے میں قرآنِ حکیم کی مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: ''میں نے اس منافق کو دیکھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا پالان پکڑا ہوا ہے اور پتھروں پر سے گھسٹتا ہوا جا رہا ہے اور کہہ رہا ہے: ''اے اللہ کے رسول! ہم تو ہنسی مذاق اور تفریح کر رہے تھے'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے جا رہے تھے: ''کیا تم اللہ، اس کی آیتوں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاق کر رہے تھے''۔ [1]

استہزاء کا معنیٰ و مفہوم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر طعنہ زنی کرنا، اس کا تمسخر اڑانا، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعنہ زنی اور ان کا تمسخر

[1] تفسیر طبری ، أبن ابی حاتم ، حسن لشواهده



www.islamfort.com

اڑانا، یا دین وشعائرِ دین پر طعنہ زنی وعیب جوئی کرنا اس کا تمسخر اڑانا استہزاء کہلاتا ہے‘‘۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس رذالت سے محفوظ فرمائے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’سخریہ واستہزاء سے مراد تضحیک، استخفاف اور تحقیر ہے۔ نیز عیب ونقائص اس انداز سے بیان کرنا کہ جس سے مذاق اڑے، ہنسا جائے، یہ تضحیک وتحقیر کبھی قول وفعل کی شکل میں ہوتی ہے۔ اور کبھی اشارہ وکنایہ کی صورت میں بھی‘‘۔ [1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اگر کسی نام کی لغتِ عرب میں تعریف موجود نہ ہو جیسا زمین ،آسمان، بحر، شمس، قمر کے نام ہیں، اور نہ ہی اس کی تعریف شرعی اصطلاح میں موجود ہو جیسے صلوٰۃ، زکاۃ، حج، ایمان، کفر کے الفاظ ہیں تو ایسے لفظ کی تعریف متعین کرنے کیلئے عرف کو مدّنظر رکھا جاتا ہے۔ جیسے قبض (کسی چیز کو قبضہ میں لینا، حرز، بیع، رھن، کری (کرایہ)، وغیرہ کے الفاظ ہیں (جن کی تعریف عرف کی رو سے متعین ہوتی ہے)۔ اسی طرح تکلیف، گالم گلوچ، سب وشتم میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا، لہٰذا جن الفاظ وکنایات وافعال کو اہل عرف گالی، عیب جوئی، اور طعنہ زنی شمار کرتے ہیں تو وہ استہزا شمار ہوگا وگرنہ نہیں۔ لہٰذا اسی طرح اگر کوئی لفظ یا گالی غیر نبی کو دی گئی جس کی بنا پر کسی نہ کسی رو سے دینے والے پر کوئی حد یا تعزیر متعین ہوتی ہو وہ الفاظ اگر نبی کیلئے الفاظ استعمال کئے جائیں تو سب وشتم شمار ہوں گے‘‘۔ [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ سب وشتم استہزاء وتمسخر کی کوئی ایک جامع مانع تعریف نہایت مشکل کام ہے لہٰذا اس باب میں ضابطہ یہ ہے کہ جو قول، فعل، اور حرکت اہل عرف کے ہاں تنقیص، استہزاء اور گالی شمار ہوتی ہو وہ گالی واستہزاء ہی شمار ہوگا۔ اور عرف کی تفسیر ہی اس کی تعریف ہوگی۔

---

[1] احیاء علوم الدین ۔3/ 131 بحوالہ الاستهزاء بالدين أحكامه وآثاره۔ص 79

[2] الصارم المسلول ص/532

www.islamfort.com

الغرض استہزاو تمسخر کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ:«اظهار كل عقيدة،أو فعل،أوقول قصدا،يدلّ على الطعن في الدين،والاستخفاف به،والاستهانة بالله تبارك وتعالى ورسله عليهم الصلاة والسلام»[1]

”کوئی بھی ایسا عقیدہ اپنانا، یا ایسے قول وفعل کا اظہار کرنا جس میں دین پر طعنہ زنی ہو،اس کا استخفاف ہو،اور اللہ تبارک وتعالیٰ یا اس کے رسولوں علیہم الصلاۃ والتسلیم کی تحقیر کی گئی ہو استہزاء کہلاتا ہے“۔

نوٹ: مذکورہ بالا تعریف میں قصداً کا لفظ آیا ہے جس پر جمہور علماء معترض ہیں بلکہ استخفاف اور تحقیر چاہے قصداً ہو یا مذاقاً دونوں صورتوں میں کفریہ فعل ہے۔

شیخ سلیمان بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:”جس شخص نے بھی اللہ، یا اس کی کتاب، یا اس کے رسول یا اس کے دین کا مذاق اڑایا چاہے اس کا یہ فعل ازراہ تفنن اور مذاق ہی ہو اور اس نے استہزاء کا قصد نہ کیا ہو تو اہل علم کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا“۔[2]

استہزاء کی جملہ صورتیں

شعائر اسلام کو ھدف تنقید اور تنقیص بنانا

افسوس ناک امر یہ ہے جو کام یہودیوں اور منافقوں کا ہوا کرتا تھا اور ہے وہی کام خود کو مسلمان کہلانے والوں میں آتے جا رہے ہیں۔نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، فرشتے، جنت، حوریں، دوزخ، اللہ کے عذاب، قرآنی آیات، احادیثِ نبویہ، دینی کتابوں، دینی شعائر، عمامہ، داڑھی، مسجد، مدرسے، دیندار آدمی، دینی لباس، دینی جملے، مقدس کلمات الغرض وہ کونسی مذہبی چیز ہے کہ جس کا اِس زمانے میں کھلے عام فلموں، ڈراموں، خصوصاً مزاحیہ ڈراموں، عام بول چال، دوستوں کی مجلسوں، دنیاوی تقریروں، ہنسی مذاق کی نشستوں اور

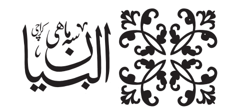
---

[1] فتح العلام بشرح مرشد الأنام للجرداني ج 4/ص538،بحواله الاستهزاء بالدين أحكامه وآثاره - ص79

[2] تیسیرالعزیزالحمید ص 617

www.islamfort.com





باہمی گپ شپ میں مذاق نہیں اُڑایا جاتا!؟۔اور یہ مذاق اڑانے والے کوئی غیر نہیں بلکہ خود مسلمان ہیں۔خود کو مسلمان کہنے والے داڑھی، عمامہ،ٹخنوں سے اونچی شلوار رکھنے اور مذہبی حُلیے سے نفرت کرتے ہیں، اور اسے کراہت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور کئی مقامات اور دفاتر میں تو یہاں تک مشاہدہ کیا گیا ہے کہ وہاں السلام علیکم کہنا بھی لوگوں کو انتہائی ناگوار گزرتا ہے، آذان سن کر تکلیف ہوتی ہے۔قرآن وحدیث کی باتیں انہیں پرانی باتیں لگتی ہیں۔یقیناً یہ انتہائی قبیح اور برا فعل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

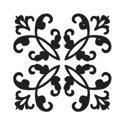
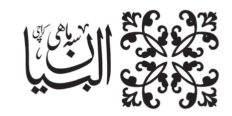
﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ (7) يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾[الجاثية:7-9]

ترجمہ:''ویل اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گنہگار پر۔جو آیتیں اللہ کی اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئی سنے پھر بھی غرور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہے کہ گویا سنی ہی نہیں تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر (پہنچا) دیجئے۔وہ جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پالیتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے یہی لوگ ہیں جن کے لئے رسوائی کی مار ہے''۔

لطیفوں میں دینی شعائر کا استعمال

موجودہ دور میں استہزاء ومذاق کی صورتوں میں یہ صورت بھی بہت عام دیکھی گئی ہے کہ لوگ بے دریغ جنت وجہنم اور فرشتوں کے حوالے سے لطیفے بناتے، سناتے اور لوگوں میں انہیں شیئر کرتے ہیں یہ بھی دین سے استہزاء ہے۔جس میں سے ایک لطیفہ بطور مثال یہ مقولہ سامنے رکھتے ہوئے کہ ''نقلِ کفر کفر نہ باشد'' یہاں ذکر کر رہے ہیں۔ کسی احمق نے یہ عام کیا کہ جہنم میں باقی سب قوموں کے اوپر داروغہ مسلط تھے ان میں سے اگر کوئی نکلنے کی کوشش کرتا تو وہ داروغہ انہیں اندر دھکیل دیتا۔جبکہ جہاں پاکستانی قوم تھی وہاں کوئی داروغہ نہیں تھا کسی نے پوچھا تو جواب دیا گیا کہ پاکستانی دراصل ٹانگ کھینچنے کے ماہر ہیں اس لئے ان میں سے اگر کوئی اوپر نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے دوسرے ساتھی اس کی ٹانگ کھینچ کر اسے دوبارہ جہنم

www.islamfort.com

میں گرا دیتے ہیں اس لئے پاکستانیوں کے ٹھکانے پر داروغہ کی ضرورت نہیں''۔ والعیاذ باللہ۔

جہنم جیسے ہولناک مقام کو طنز و مزاح میں لا کر اس کی ہیبت کو کم کرنے کی پوری کوشش کی گئی حالانکہ جہنم کی صفات اگر کوئی بندہ قرآن مجید میں پڑھ لے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''مارأیت مثل النار نام ھاربھا))۔

جیسا ''میں نے جہنم جیسی خطرناک جگہ نہیں دیکھی کہ جس سے بھاگنے والا سویا رہے''۔

جہنم جیسی خطرناک جگہ سے نکلنا اللہ کی مشیئت کے بغیر محال ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جان ہے جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت کے برابر ہے''۔ [1]

جہنم اللہ تعالیٰ کا سخت ترین عذاب ہے۔ اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز میں اللہ تعالیٰ سے جہنم کے عذاب کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ اور جن جن سورتوں میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا تذکرہ ہے ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''مجھے سورت ہود، واقعہ، مرسلات، عَمَّ يَتَسَآءَلُونَ اور إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ نے بوڑھا کر دیا ہے''۔ [2]

ضرب الامثال اور محاوروں میں استہزائیہ جملوں کا استعمال: اسی طرح بہت سے محاروں میں سے ایسے محاورے بھی ہیں جن میں شعائرِ اسلام کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ جیسا کہ عموماً لوگ یہ مثال بیان کرتے ہیں کہ بھائی فلاں شخص تو ''احمقوں کی جنت میں رہتا ہے''!۔ والعیاذ باللہ۔

جنت جیسی عظیم نعمت جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((مارأیت مثل الجنة نام طالبھا))۔

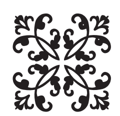
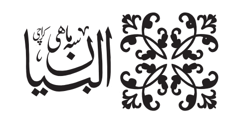
---

[1] صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 482

[2] جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1245



www.islamfort.com

''میں نے جنت جیسی عظیم نعمت نہیں دیکھی جسے حاصل کرنے والا سو یا رہے''۔

اس نعمت کو احمقوں کی طرف منسوب کرنا کتنی بڑی جسارت ہے۔ ایسا مقام جو انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کا ٹھکانہ ہے۔ اس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ اللہ کی جنت کے علاوہ احمقوں کیلئے یا احمقوں کی بھی کوئی جنت ہے۔

ہر مسلمان کو یہ چیز بخوبی سمجھ لینی چاہئے کہ جنت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور اس کے حقدار اللہ کے نیک بندے ہیں۔ جنت جیسی عظیم نعمت کو احمقوں سے منسوب کرنا بہت بڑی حماقت اور دین سے بہت بڑا مذاق ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

لکھے مُوسیٰ پڑھے خُدا (کہاوت)

یہ کہاوت اس موقع پر بولی جاتی ہے جب کسی شخص کی لکھی ہوئی خراب تحریر صاف پڑھی نہ جا رہی ہو۔ اب پتہ نہیں نالائق لوگوں کی خراب لکھائی کا تعلّق سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جوڑنے کا مطلب اور مقصد کیا تھا؟

وضاحت: یہ کہاوت جس طرح بولی اور لکھی جاتی ہے ایسے نہیں بلکہ اصل کہاوت اس طرح ہے: '' لکھے مُو (بال) سا، پڑھے خود آ۔'' یعنی جو شخص بال کی طرح باریک لکھتا ہے کہ دُوسروں کے لیے اسے پڑھنا دُشوار ہو تو اسے خود ہی آ کر پڑھے، کوئی اور تو اسے پڑھنے اور سمجھنے سے رہا۔ تعجب ہے کہ اُردو کی بڑی بڑی لُغات اور قواعد کی کُتب میں یہ کہاوت عنوان کے مطابق غلط طور پر لکھی ہوئی پائی گئی ہے، جس سے آپ علم کی نشر و اشاعت کے ان نام نہاد مدعیوں اور ذمہ داروں کی علمی سطح کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں۔

صلواتیں سُنانا: (محاورہ)

صلاۃ کا معنی اور مفہوم ہے: برکتیں اور رحمتیں، جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ہوں۔ جس کی جمع صلوات ہے اور اس کے معانی درود، دُعا اور نماز کے بھی ہیں)



www.islamfort.com

مگر اردو محاروے میں اسے گالی اور دُشنام کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے. لہٰذا ''صلواتیں سُنانا'' کا مطلب ٹھہرا '' گالیاں دینا، بُرا بھلا کہنا''۔

ایک اسلامی شعیرہ کے الفاظ کو کن گمراہ کن غلیظ معانی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ

نمازیں بخشوانے گئے اور روزے گلے پڑے: (کہاوت)

مفہوم ''ایک کام سے جان چھڑانے گئے تھے اور دوسری مصیبت گلے پڑ گئی۔''

اِسلام کی بُنیادی عبادات کے متعلق ایسا گُستاخانہ تصور اور طرزِ تکلّم بہت بڑی جسارت کے زُمرے میں آتا ہے، جو ہمارے دین کے ان دو ارکان کا مذاق اُڑانے کے مترادف ہے۔

خُدا واسطے کا بیر: (محاورہ)

جس کا مطلب کُچھ اس طرح ہے کہ جب کوئی شخص کِسی سے خواہ مخواہ رنجیدۂ خاطر ہو، جس کی کوئی ظاہری اور معقول وجہ بھی نہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ ''فلاں کو فلاں کے ساتھ تو خُدا واسطے کا بیر ہے۔''

یعنی شریعت کی اصطلاح حب فی اللہ اور البغض فی اللہ کو کس طرح باہمی چپقلش اور عناد میں بطور محاورہ استعمال کیا گیا اور یہ احساس بھی نہ رہا کہ اللہ کیلئے بیر کون رکھتا ہے اور کس لئے رکھا جاتا ہے اور اس کے فوائد وثمرات کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دین حنیف کی سمجھ عطا فرمائے۔

مُوسیٰ بھاگا گور سے اور آگے گور کھڑی: (کہاوت)

''یعنی موسیٰ موت سے بھاگے اور موت آگے کھڑی تھی''۔

ملاحظہ کیجئے کہ سیدنا مُوسیٰ علیہ السلام کو کیسے ظاہر کیا گیا کہ وہ موت سے اتنے خوف زدہ اور لرزہ براندام تھے کہ اس فنا ہو جانے والی دُنیا میں زندہ رہنے کی خاطر موت سے چھپتے اور بھاگتے پھرے مگر موت نے پھر بھی اُنھیں آلیا؟ [1]

---

[1] ان امثال کیلئے اردو پریس Cretech.net سے استفادہ کیا گیا ہے۔

www.islamfort.com

اس کہاوت میں کیسے اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ رسول جن کا شمار ﴿اولوالعزم مِنَ الرسل﴾ میں ہوتا ہے انہیں موت سے خائف اور جان بچاتے بھاگنے کا تصور دیا۔ والعیاذ باللہ۔

تمام انبیاء ورسولوں کے تقدس کا لحاظ ہر مسلمان کا فرض ہے۔

استہزاء اور مذاق کرنے کا شرعی حکم

استہزاء و مذاق کے حکم کے حوالے سے چند بنیادی امور ملحوظ خاطر رکھنے ضروری ہیں:

اول: دین سے مذاق ایک بہت ہی بڑا جرم اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی پامالی ہے۔ اور یہ عمل اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کو ایذا دینے کے مترادف ہے۔ جس کی سزا بہت سخت متعین ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا﴾ [الأحزاب: 57]

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے نہایت رسوا کن عذاب ہے''۔

امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نصِ شرعی سے یہ امر ثابت ہے کہ جس نے بھی اللہ تعالیٰ سے، یا فرشتوں میں سے کسی فرشتے، یا انبیاء میں سے کسی نبی ﷺ یا قرآن کریم کی کسی آیت یا فرائضِ دین میں سے کسی فریضہ کا مذاق اڑایا استہزا اور تمسخر کیا بعد اس کے کہ حجت ودلیل اس تک پہنچ چکی تھی تو وہ شخص کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے''۔ [1]

دوم: دین سے مذاق میں ہر وہ قول وفعل اور اشارہ شامل ہے جس سے دین پر طعنہ زنی ہو، اس کا استخفاف اور تحقیر کی جائے۔

جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَمَعْنَى السُّخْرِيَةِ: الِاسْتِهَانَةُ، وَالتَّحْقِيرُ، وَالتَّنْبِيهُ عَلَى

[1] الفصل في الملل والأهواء والنحل 3/142

www.islamfort.com

الْعُيُوبِ وَالنَّقَائِصِ ، عَلَى وَجْهٍ يُضْحَكُ مِنْهُ ، وَقَدْ يَكُونُ ذَلِكَ بِالْمُحَاكَاةِ فِي الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ ، وَقَدْ يَكُونُ بِالْإِشَارَةِ وَالْإِيمَاءِ][1]

''سخریہ واستہزاء سے مراد تضحیک ، استخفاف اور تحقیر ہے۔ نیز عیب ونقائص اس انداز سے بیان کرنا کہ جس سے مذاق اڑے ہنسا جائے ، یہ تضحیک وتحقیر کبھی قول وفعل کی شکل میں ہوتی ہے۔اور کبھی اشارہ وکنایہ کی صورت میں بھی''۔

سوم: اگر کوئی قول وفعل استخفاف ، تحقیر اور تنقیص وتمسخر پر دلالت نہیں کرتا تو یہ استہزاء ایسا نہیں جو کہ انسان کو ملتِ اسلامیہ سے خارج کردے۔

لہٰذا اس سے یہ صورت واضح ہوئی کہ استہزاء کبھی معصیت اور گناہ کے زمرے میں آتا ہے اور کفر کے درجہ کو نہیں پہنچتا جیسا کہ کوئی شخص کسی دیندار شخص کا مذاق اس کی ذاتی حیثیت سے اڑائے نہ کہ اس کی دینداری کی وجہ سے۔

چہارم: ایک مسلمان کی بحیثیت مسلمان ایک بہت بڑی واجبی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اگر کسی شخص کو دین پر طعنہ زنی کرتے اور ٹھٹھ ومذاق بناتے پائے تو اس شخص کی مذمت کی جائے اور اگر یہ چیز اس کی طاقت وسعت سے باہر ہے یا مسلسل تنبیہ اور اصلاح کے باوجود مذاق کرنے والا اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہے تو اس شخص کو چاہئے کہ وہ جگہ چھوڑ دے جس جگہ وہ مذاق کرنے والا موجود ہو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾[النساء:140]

ترجمہ: ''اور اللہ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی

---

[1] احياء علوم الدين ـ3/ 131 بحواله الاستهزاء بالدين أحكامه وآثاره ـ ص 79

www.islamfort.com

آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقین کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے''۔

اور اگر آپ اس شخص کی باتوں سے محظوظ ہوئے تو گناہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ﴾۔ (ورنہ) تم بھی انہی جیسے ہو۔

علامہ ابن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ: کیا جو شخص داڑھی یا کپڑے کے ٹخنے سے اونچا رکھنے کا مذاق اڑاتا ہے کیا یہ فعل کفر ہے؟

آپ نے جواباً فرمایا: ''اس کا حکم نوعیت و نیت کے حساب سے مختلف ہے۔

اس کا مقصد اگر اس سے دین کا مذاق اڑانا تھا تو بلا شک و ریب یہ ارتداد ہے فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ. لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾

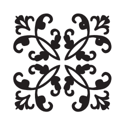
ترجمہ: ''کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں۔ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے''۔

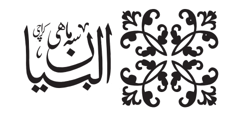
اور اگر اس کا مقصد محض اس شخص کا مذاق اڑانا تھا کہ وہ داڑھی رکھ کر اور سنت رسول پر عمل کر کے بھی دیگر منکرات و برائیوں سے خود کو نہیں بچا رہا، تو اس شخص کا مقصد دین کا مذاق اڑانا نہیں بلکہ دین کی چند جزءیات پر سختی سے کاربند ہونا اور چند میں انتہائی کوتاہی کرنے کی وجہ سے اس شخص کو مذاق کا نشانہ بنانا تھا تو یہ ارتداد نہیں بلکہ اس کا حکم فسق شمار ہوگا۔

پنجم: استہزاء چاہے قصداً ہو یا از راہ مذاق و تفنن دونوں صورتوں میں کفریہ عمل ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذاق کو بطور عذر قبول نہیں کیا بلکہ ایسا شخص سزا کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ کیا آپ نے یہ ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجبوری

www.islamfort.com





واکراہ کی صورت میں کلمہ کفر کہنے والے کا دل اگر ایمان پر مطمئن تھا تو اس کا عذر قبول کیا، لیکن مذاق کرنے والوں کا عذر قبول نہیں کیا بلکہ فرمایا: ﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ * لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ [التوبۃ:65،66]

''اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کہہ دیجئے کہ اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں۔ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہوگئے۔۔۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لاعلمی، جہالت اور انجانے میں گناہ کرنے والے کو نا قابل مؤاخذہ قرار دیا۔ (لیکن مذاق کرنے والے کا عذر کسی صورت بھی قبول نہیں کیا)۔ [1]

اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان سے مذاق کرنے کا انجام

ذیل میں مستہزئین کے حوالے سے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں کہ اللہ کے رسول اور اس کے فرامین کا تمسخر اڑانے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح کے عبرتناک انجام سے دوچار کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑانے والوں کا عبرتناک انجام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسرا اور قیصریٰ دونوں کی طرف اپنے خطوط بھیجے کہ وہ اسلام کو قبول کرلیں دونوں نے اسلام قبول نہیں کیا لیکن ان میں سے قیصرِ روم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کی تکریم اور عزت کی اور خط لانے والے کی خاطر داری اور تکریم کی تو اس کی بادشاہت باقی رہی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«فيقال: إن الملك باق في ذريته إلى اليوم، ولا يزال الملك يتوارث في بعض بلادهم».

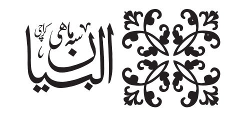
''کہا جاتا ہے کہ بادشاہت آج بھی قیصر کے خاندان میں باقی اور جاری ہے اور ابھی تک بعض علاقوں میں ان کی جانشینی پشت در پشت قائم ہے''۔

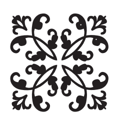
---

[1] إعلام الموقعين (3/78)



www.islamfort.com





جبکہ کسریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کو پھاڑ ڈالا اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑایا جس کے انجام میں اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور اس جہانِ فانی میں سلطنت کسروی کا کوئی وجود باقی نہ رہا۔ درحقیقت یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ ﴿إن شانئك هو الأبتر﴾ [الکوثر:3]، ''یقیناً تیرا دشمن ہی لا وارث اور بے نام ونشان ہے''۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑانے والوں کی نسلیں ختم ہو جاتی ہیں، صفحہ ہستی سے ان کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''ایک نصرانی اسلام لایا اور اس نے سورت بقرہ اور سورت آل عمران پڑھی پھر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کاتبِ وحی مقرر ہو گیا اس کے بعد پھر وہ مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا اور مشرکوں سے جا ملا وہ کہا کرتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا میں نے ان کو لکھ دیا ہے پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے موت دی تو لوگوں نے اس کو دفن کر دیا جب صبح کو دیکھا گیا تو زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا تھا لوگوں نے کہا یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کا فعل ہے چونکہ ان کے ہاں سے بھاگ آیا تھا اس لئے انہوں نے اس کی قبر کھود ڈالی چنانچہ ان لوگوں نے اس کو دوبارہ حتی الامکان بہت گہرائی میں دفن کیا۔ دوسری صبح بھی اس کی لاش کو جب زمین نے باہر پھینک دیا تو لوگوں نے کہا یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب کا فعل ہے کیونکہ وہ بھاگ آیا تھا پھر انہوں نے جتنا گہرا کھود سکتے تھے کھود کر اس کی لاش کو دفن کر دیا لیکن تیسری صبح بھی جب زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا تب لوگوں نے سمجھا کہ یہ بات آدمیوں کی طرف سے نہیں تب انہوں نے اسے یوں ہی پڑا رہنے دیا''۔ [1]

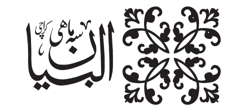
اسی طرح آپ قریش کے ان سرداروں کا انجام سیرت وتاریخ کی کتابوں میں پڑھ لیں خود اندازہ ہوگا کہ مستہزئین میں اللہ تعالیٰ کی کیا سنت اور کیا طریقہ رہا ہے۔

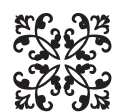
---

[1] صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 868



www.islamfort.com





آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا مذاق اڑانے والوں کی چند مثالیں

پہلی مثال: سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: « أما يخشى أحدكم، أو ألا يخشى أحدكم إذا رفع رأسه قبل الإمام أن يجعل الله - عز وجل- رأسه رأس حمار،أو يجعل صورته صورة حمار»[1]

ترجمہ: ''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھالیتا ہے اس بات کا خوف نہیں کرتا کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا سا سر بنادے یا اللہ اس کی صورت گدھے کی سی صورت بنا دے''۔

ایک محدث بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دمشق کا رخت سفر باندھا تاکہ وہاں کے مشہور محدث سے علم حدیث حاصل کرسکیں۔ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ وہ شیخ حدیث بیان کررہے ہیں لیکن چہرہ ڈھانپا ہوا ہے جس وجہ سے ان چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ کہتے ہیں جب میں نے ایک لمبا عرصہ اس محدث کے ساتھ گذارلیا اور انہوں نے محسوس کرلیا کہ میں حدیث کے حصول میں بہت زیادہ حریص ہوں تو اس شیخ نے اپنے چہرہ کا پردہ ہٹادیا کہتے ہیں کیا دیکھتا ہوں کہ ان کا چہرہ گدھے کا چہرہ ہے۔اس پر انہوں نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ میرے بیٹے نماز کے دوران امام سے سبقت لے جانے سے بچ کر رہنا۔ کیونکہ میں نے جب یہ حدیث پڑھی یعنی سیدنا ابوھریرۃ والی راوایت جو اوپر گذری ہے۔تو میں نے کہا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ کسی انسان کا چہرہ گدھے کا بن جائے اور سوچا کہ کیوں نہ تجربہ کیا جائے! کہتے ہیں اسی تجربے کیلے میں نے سجدہ میں امام سے پہلے سر اٹھالیا تو میرا چہرہ ایسا بن گیا جیسا تو دیکھ رہا ہے یعنی گدھے کا''[2]

دوسری مثال: کثیر بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ

---

[1] صحيح البخاري رقم: (659)، ومسلم رقم: (427)

[2] فتح الملهم شرح صحيح مسلم (2/ 64)، وتحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي(152/3)



www.islamfort.com

کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا تو ایک شخص آیا اور کہنے لگا اے ابا درداء میں آپ کے پاس مدینہ منورہ سے تشریف لا یا ہوں ایک حدیث سننے کیلئے جس کی مجھے خبر ملی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں میں اس کے علاوہ کسی اور مقصد کیلئے نہیں آیا تو ابو درداء فرمانے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: «من سلك طريقًا يطلب فيه علمًا، سلك الله به طريقًا من طرق الجنة، وإن الملائكة لتضع أجنحتها رضًا لطالب العلم»[1]

ترجمہ: ''میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص طلب علم کے لئے کسی راستے میں چلتا ہے اللہ اسے جنت کے راستے پر چلا دیتا ہے اور فرشتے اس طالب علم کی خوشنودی کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔۔۔''

خطیب بغدادی سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی کے طریق سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: میں نے ابا یحیٰ زکریا الساجی سے سنا وہ کہہ رہے تھ کہ ''ہم بصرہ کی گلیوں میں کسی ایک محدث کے گھر کی طرف جارہے تھے۔ راستے میں ہم تیز تیز چل رہے تھے۔ ہمارے ساتھ ایک مسخرہ قسم کا شخص بھی تھا جو غیر دیندار تھا تھا وہ ازراہِ مذاق کہنے لگا کہ ''اپنے پاؤں کو فرشتوں کے پروں سے اٹھا کر چلو کہیں انہیں توڑ نہ دو!! فرماتے ہیں یہ کہنا تھا کہ وہ شخص وہیں اکڑ گیا اپنا ایک قدم آگے نہ اٹھا سکا یہاں تک کہ اس کی ٹانگیں سوکھ (فالج زدہ ہو) گئیں اور وہ زمین پر گر پڑا''۔[2]

حافظ عبد القادر الرہاوی بیان کرتے ہیں کہ ''اس حکایت کی سند ایسی ہے جیسا کسی نے یہ چیز اپنے ہاتھوں سے لی، یا اپنی آنکھوں سے دیکھی کیونکہ اس کے راوی اعلام ہیں اور اس کو بیان کرنے والا امام (فی علم الحدیث) ہے''[3]

---

[1] مسندأحمد (5/ 196) حديث:(21763)، الترمذي،حديث: (2682)، وأبو داود،حديث:(3643)۔

[2] الرحلة في طلب الحديث للخطيب البغدادى(ص: 85) مجموع رسائل الحافظ ابن رجب الحنبلي(1/26).

[3] مفتاح دار السعادة ومنشور ولاية العلم والإرادة(1 /64).

www.islamfort.com

تیسری مثال: سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«من اشترى شاة مصراة فلينقلب بها فليحلبها، فإن رضي حلابها أمسكها، وإلا ردها ومعها صاع من تمر»[1]

ترجمہ: ''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس نے دودھ روکے ہوئے بکری خریدی پھر لے جا کر اس کا دودھ نکالا پس اگر وہ اس کے دودھ سے راضی ہو تو رکھ لے ورنہ واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو کہ قاضی ابی الطیب الطبری سے منقول ہے فرماتے ہیں: ''ہم بغداد کی جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارے پاس ایک خراسانی شخص آیا اور مصراۃ کا مسئلہ دریافت کیا ہم نے اسے جواب دیا اور مسئلہ مذکورہ میں سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا۔ تو اس شخص نے سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر طعن کیا اس کا یہ طعن کرنا تھا کہ آسمان سے ایک سانپ گرا جو مجلس میں دیگر لوگوں کو کراس کرتے ہوئے اس خراسانی شخص کے پاس آیا اسے ڈسا جس سے اس کی وہیں موت واقع ہوگئی۔[2]

عہد رسالت کا ایک واقعہ

عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ حَدَّثَنِي إِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا أَكَلَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهِ فَقَالَ كُلْ بِيَمِينِكَ قَالَ لَا أَسْتَطِيعُ قَالَ لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَعَهُ إِلَّا الْكِبْرُ قَالَ فَمَا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ۔»[3]

---

[1] صحيح مسلم :حديث(1524).

[2] مجموع الفتاوى(4/539).

[3] صحيح المسلم: كتاب الأشربة ۔ باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما

www.islamfort.com

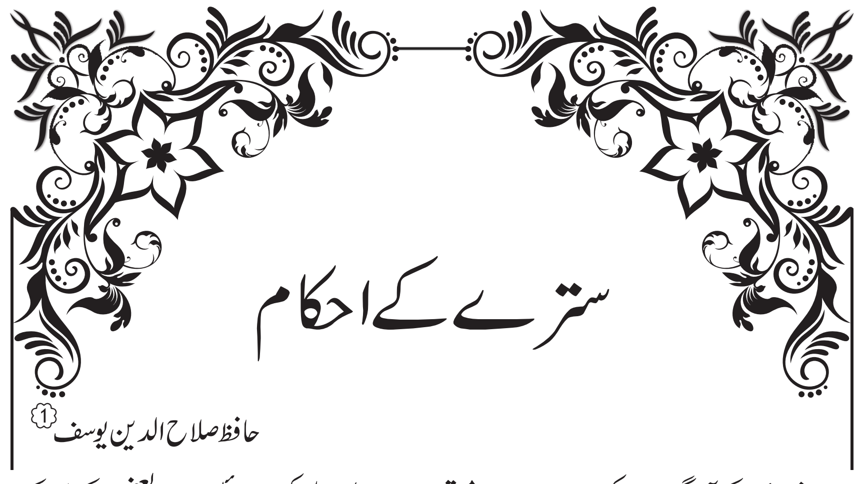
ترجمہ: ’’عکرمہ بن عمار، جناب ایاس بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے ان سے بیان کیا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ تو وہ آدمی کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا (اللہ کرے) تو اسے اٹھا ہی نہ سکے اس آدمی کو سوائے تکبر اور غرور کے اور کسی چیز نے اس طرح کرنے سے نہیں روکا راوی کہتے ہیں کہ (اس دن کے بعد سے) وہ آدمی اپنے ہاتھ کو اپنے منہ تک نہ اٹھا سکا‘‘۔ (یعنی اس کا ہاتھ وہیں شل ہو گیا)۔

یہ وہ چڑھتے سورج کی مانند واضح آثار و واقعات ہیں جو اللہ، اس کے رسول، اور اس کے دین کے ساتھ مذاق کرنے والوں سے متعلق منقول ہیں۔ جس میں ان کے بھیانک انجام کا بخوبی تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم شعائرِ اسلام کی تعظیم بجا لائیں، حرمات و مقدسات اسلام کی عزت و تکریم کریں اور کسی بھی صورت ان کی تنقیص و تحقیر کرنے سے خود کو محفوظ رکھیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج: ۳۲)

ترجمہ: ’’یہ سن لیا اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و حرمت کرے یہ اس کے دل کی پرہیز گاری کی وجہ سے یہ ہے۔‘‘

وصلى الله على نبينا محمد ﷺ وعلى آله وصحبه وسلم

www.islamfort.com



سترے کے احکام

حافظ صلاح الدین یوسف [1]

نمازی کے آگے سترہ رکھنا واجب ہے یا مستحب؟ اس میں علما کی دو رائیں ہیں، بعض کے نزدیک مستحب اور بعض کے نزدیک واجب ہے۔ استحباب کی دلیل کھلی فضا میں بعض دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغیر سترے کے نماز پڑھنے کا واقعہ ہے۔ [2]

وجوب کے قائل علماء کے نزدیک مذکورہ واقعے میں ''غیر جدار'' کے الفاظ ہیں جس کا مطلب وہ یہ لیتے ہیں ''يصلي الى شيء غير الجدار'' یعنی ایسی چیز کے سامنے نماز پڑھی جو دیوار نہیں تھی۔ مزید وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر سترے کے نماز پڑھائی ہوتی تو یہ الفاظ ہوتے «يصلى الى غير سترة» آپ نے بغیر سترے کے نماز پڑھی۔ [3]

بہرحال احادیث میں سترے کی جتنی تاکید آئی ہے، اس سے وجوب ہی کی تائید ہوتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالعموم کھلی فضا میں نماز پڑھاتے تو آپ کے آگے بطور سترہ برچھی یا نیزہ گاڑ دیا جاتا تھا۔

سترے کی تاکید:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے سامنے سے کسی کو گزرنے نہ دے، بلکہ جہاں تک ہو سکے اس کو

---

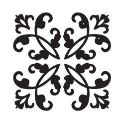
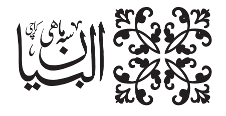
[1] نگران شعبہ تحقیق وتصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

[2] صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب سترة الإمام سترة من خلفه۔

[3] ملاحظہ ہو فتاوی الدین الخالص از مولانا امین اللہ پشاوری: 3/ 554۔



www.islamfort.com

روکے، اگر وہ نہ رکے تو اس سے لڑے، کیونکہ وہ شیطان ہے''۔ (لڑنے کا مطلب ہے، زور سے روکے)

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

''اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو علم ہو کہ اس کا کتنا گناہ ہے تو گزرنے کے بجائے اس کو چالیس (سال) تک بھی انتظار میں ٹھہرنا پڑے تو اس کے لیے بہتر ہو۔'' [1]

کیا سترہ مسجد میں ضروری نہیں؟

احادیث میں نبی ﷺ کی بابت سترے کے جو واقعات بیان ہوئے ہیں (مثلاً صحرا، کھلی فضا، عیدگاہ وغیرہ میں) ان سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسجد میں سترہ رکھنا ضروری نہیں۔ لیکن یہ استدلال غیر صحیح ہے۔

اولاً: اس لیے کہ سترے کی تاکید میں جتنی احادیث منقول ہیں وہ مطلق ہیں، اس میں صحرا، عیدگاہ وغیرہ کی تحدید نہیں ہے بلکہ ان کا عموم مسجد اور غیر مسجد دونوں جگہ اس حکم پر عمل کا مقتضی ہے۔

ثانیاً: صحابہ کرام کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، صحابہ کرام مغرب کی اذان کے بعد دو رکعت پڑھنے کے لیے ستونوں کی طرف دوڑتے تھے، یعنی ان کو سترہ بنا کر دو رکعت پڑھتے۔ [2]

اسی باب میں جناب سلمہ بن اکوع کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوشش کرکے ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

علاوہ ازیں نبی ﷺ جب نماز پڑھاتے تو سامنے جو دیوار ہوتی وہ آپ (کے سجدے والی حالت) سے اتنے فاصلے پر ہوتی کہ صرف بکری گزر سکتی تھی۔ [3]

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ دیوار کو سترہ بنا لیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازی اور

---

[1] یہ دونوں روایات صحیح مسلم: «كتاب الصلاة، باب سترة المصلي و باب منع المار بين يدي المصلي» میں ہیں

[2] صحیح البخاری: كتاب الصلاة، باب الصلاة إلى الاسطوانة۔

[3] صحیح البخاری: باب قدر كم ينبغي ان يكون المصلى و السترة۔



www.islamfort.com

سترے کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہیے، صرف اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا معمولِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے۔

اس مختصر تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسجد میں نمازیوں کو سنن ونوافل کی ادائیگی کے وقت دیوار کے قریب یا ستون کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ بصورت دیگر سترے کا اہتمام کیا جائے۔ اگر اس کے بغیر نماز پڑھی جائے گی تو گزرنے والے کے ساتھ ساتھ نمازی بھی عنداللہ مجرم ہو سکتا ہے۔

نمازی اور سترے کے درمیان کتنا فاصلہ ہو؟

اس کی کچھ وضاحت سطور بالا سے اگرچہ ہو چکی ہے کہ یہ فاصلہ زیادہ نہیں ہونا چاہیے تاہم علماء نے اس کی مقدار تین ہاتھ (ذراع) بتلائی ہے۔ یہ ایک اندازہ ہے، اس میں کچھ کمی بیشی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ فاصلہ زیادہ بہر حال نہ ہو۔

سترہ کتنا لمبا اور کتنا موٹا ہو؟

صحیح مسلم میں ہے:

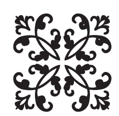
''جب تم میں سے کوئی شخص «مؤخرة الرحل» کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو نماز پڑھ لے، پھر اس سے آگے گزرنے والے کی پروا نہ کرے۔''

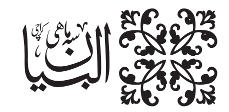
صحیح مسلم ہی میں دوسری حدیث ہے: صحابہ نے کہا: ہم نماز پڑھتے ہیں تو جانور ہمارے آگے سے گزرتے رہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

''تمھارے سامنے «مؤخرة الرحل» کی مثل کوئی چیز ہو تو پھر تمھارے آگے سے گزرنے پر تمھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

«مؤخرة الرحل» کیا ہے؟ اونٹ وغیرہ پر بیٹھنے کے لیے جو لکڑی کا پالان رکھتے ہیں، اس کا پچھلا (ٹیک لگانے والا) حصہ «مؤخرة الرحل» (یعنی پالان کا پچھلا حصہ) ہے۔ اس کی لمبائی ایک ذراع (ایک ہاتھ) یا بعض نے ایک ذراع اور ایک بالشت بتلائی ہے۔ آج کل اس کی لمبائی ایک فٹ اور ڈیڑھ فٹ کے درمیان علماء بتلاتے ہیں۔

www.islamfort.com





یہ تو سترے کی لمبائی (طول) کا مسئلہ ہوا۔ یہ موٹا، یعنی چوڑا کتنا ہو؟ اس کی تحدید نہیں کی جا سکتی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سترہ برچھی یا نیزہ بھی ہوتا تھا۔ اور اس کی چوڑائی سب کو معلوم ہے۔ اس لیے اصل مسئلہ صرف لمبائی کا ہے۔ تاہم خط کھینچنے والی روایت صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے کہ سترہ نمازی کے بالکل سامنے نہ ہو بلکہ دائیں یا بائیں جانب ہو۔ کیونکہ اصل سترہ تو وہی ہے جو اس کے بالکل سامنے، یعنی اس کی سیدھ میں ہو۔

بغیر سترہ بعض چیزوں کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''اگر نمازی کے آگے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی چیز نہ ہو تو گدھا، کالا کتا اور عورت، مرد کی نماز کو قطع کر دیتے ہیں۔'' پوچھا گیا: کالا کتا ہی کیوں، سفید وغیرہ کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''کالا کتا شیطان ہے۔'' [1]

قطع کر دینے کا مطلب اکثر علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کے خشوع خضوع میں فرق آ جاتا ہے۔ جب کہ امام احمد، امام ابن قیم وغیرہما نے ظاہری مفہوم مراد لیا ہے کہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

«تعاد الصلاة من ممر الحمار و المرأة و الكلب الأسود» [2]

''گدھے، عورت اور سیاہ کتے کے گزرنے پر نماز لوٹائی جائے۔''

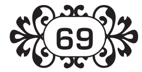
تاہم خیال رہے عورت کا گزرنا (جس سے نماز ٹوٹ جائے گی) اور ہے اور عورت کا نمازی کے آگے لیٹے ہونا اور بات ہے جو جائز ہے، اس سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔ [3] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوئے ہوئے

---

[1] صحيح المسلم :كتاب الصلاة، باب قدر ما يستر المصلى

[2] السلسلة الصحيحة للألبانى، 959/7، حديث :3333

[3] سنن ابی داود، حدیث: 710 و دیگر کتب احادیث



www.islamfort.com

آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

ایک ضروری وضاحت

ایک حدیث میں ہے: «لا يقطع الصلاة شيء» ”نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی۔“ [1]

اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ حسن درجے کی ہے۔ ان کے نزدیک اس عموم سے مذکورہ اشیاء (گدھا، عورت، سیاہ کتا) مستثنیٰ ہوں گی، یعنی ان کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ تاہم ان کے علاوہ کسی اور چیز سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں روایات ضعیف ہیں، اس لیے مذکورہ اشیاء کے استثنا کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اگر سترہ نہ ہو تو کتنے فاصلے سے گزرنا جائز ہوگا؟

اس میں تین موقف ہیں:

بعض حضرات اس کی کوئی حد نہیں بتلاتے اور کہتے ہیں کہ کتنا بھی زیادہ فاصلہ ہو، نمازی کے آگے سے گزرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اس موقف میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔

دوسرا موقف ایک ضعیف حدیث پر مبنی ہے جو سنن ابی داود میں ہے، اس میں ہے:

”جب تم میں سے کوئی شخص بغیر سترے کے نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے آگے سے کتے، گدھے، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ ہاں اگر وہ پتھر پھینکنے کے برابر فاصلے سے زیادہ فاصلے سے گزریں تو نماز نہیں ٹوٹے گی (اتنا فاصلہ اس کو کفایت کر جائے گا)۔“ [2]

یہ حدیث بھی قابل استدلال نہیں، کیونکہ ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں پتھر پھینکنے کی تفصیل مجہول ہے، پتھر کس طرح پھینکنا ہے؟ پھر پھینکنے کی مقدار اور مسافت میں بھی فرق ہوگا، کوئی زیادہ زور سے پھینکے گا تو اس کا فاصلہ دوسرے پھینکنے والے سے زیادہ ہی ہوگا۔ اس کی قطعی مسافت کا فیصلہ ناممکن ہے۔

---

[1] سنن ابی داود، حدیث: 719-720

[2] ضعيف سنن أبي داود للألباني، رقم الحدیث: 137-704، ص: 65-66، طبع 1991ء

www.islamfort.com

تاہم اگر یہ روایت سنداً صحیح ہوتی تو ایک اوسط درجے کی مسافت کو حد قرار دیا جا سکتا تھا جیسا کہ بعض علماء نے بطور احتیاط اس مسافت کو بطور سترہ قرار دیا بھی ہے۔ [1]

تیسرا موقف یہ ہے کہ نمازی کی جو حد ہے، یعنی جہاں سترہ قائم کرنے کا حکم ہے، اس کے آگے سے گزر سکتا ہے، اس کے اندر سے گزرنا منع ہے۔ (فتاویٰ غازی پوری)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے جو نیزہ بطور سترہ رکھا گیا، اس کے آگے سے لوگ اور جانور گزرتے تھے۔ [2]

حافظ عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سترہ قائم کرنے کی جگہ سجدہ گاہ کے آگے ہے جو قریب ڈھائی تین ہاتھ کے ہے۔"

حافظ صاحب دو اور روایات سے استدلال کرتے ہیں:

1 ...... "نافع بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کعبے کے اندر داخل ہوتے تو سامنے کی دیوار تقریباً تین ہاتھ رہ جاتی تو نماز پڑھتے تھے۔ اس طرح آپ اس جگہ نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے تھے جس کے متعلق بلال رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں نماز پڑھی تھی۔" [3]

2 ...... "سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے نماز اور دیوار کے درمیان ایک بکری کے گزرنے کے برابر جگہ ہوتی تھی۔" [4]

اس کے بعد فتح الباری کے حوالے سے حافظ صاحب، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ

"ابن بطال نے کہا ہے کہ یہ وہ کم از کم جگہ ہے جو نمازی اور سترے کے درمیان ہونی چاہیے یعنی بکری کے گزرنے کے برابر۔ ایک قول کے مطابق اس کی کم از کم مقدار تین ہاتھ ہے...... امام داودی نے اس طرح

---

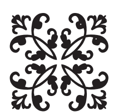
[1] فتاوی اہل حدیث از حافظ عبداللہ محدث روپڑی: 2/ 116، طبع اول

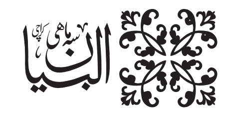
[2] صحیح البخاری، حدیث: 369

[3] صحیح البخاری، حدیث: 484

[4] صحیح البخاری، حدیث: 474

www.islamfort.com





تطبیق دی ہے کہ اس کی کم از کم مقدار بکری کے گزرنے کے برابر اور زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ ہے۔ بعض اہل علم نے اس طرح بھی دونوں حدیثوں میں تطبیق دی ہے کہ پہلی کیفیت قیام اور قعدے کے وقت ہے اور دوسری رکوع وسجود کے وقت ہے...... سترے کے قریب ہونے کا حکم بھی حدیث میں مروی ہے جس میں اس کی حکمت بھی بیان ہوئی ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی ایک نماز پڑھے تو سترے کے قریب ہو جائے، کہیں شیطان اس پر اس کی نماز کو قطع نہ کر دے۔'' اور یہ حکم ہے کہ اگر کوئی نماز اور اس کے سترے کے درمیان سے گزرے تو نمازی اس کو جس طرح ہو سکے روکے۔ اس روایت کا پورا متن نقل کر کے حضرت غازی پوری فرماتے ہیں:

''ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازی کی نماز کی جگہ کی حد اُس کے کھڑے ہونے کی جگہ سے سجدہ گاہ تک ہے، اس کے درمیان سے گزرنا منع ہے اور اس کے آگے سے درست ہے۔''[1]

یہ مجموعہ فتاویٰ آج تک قلمی اور بعض کتب خانوں میں محفوظ تھا، اللہ بھلا کرے علمائے اہل حدیث کے پروانے، احیائے مآثر سلف کے جذبہ صادقہ سے سرشار جناب عارف جاوید محمدی (کویت) اور ان کے محترم رفقائے گرامی کا کہ جن کی مساعی حسنہ سے یہ دُرِّ نایاب بھارت سے پاکستان پہنچا اور انھی حضرات گرامی قدر کے تعاون سے ابھی حال ہی میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر اہل علم اور قدر دانوں کے ہاتھوں میں پہنچا۔ حافظ شاہد محمود فاضل مدینہ یونیورسٹی کی مساعی بھی قابل تحسین ہیں جو کویت کے ریگستانوں کے بنے ہوئے خاکوں میں رنگ روغن بھرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔

حفظهم الله تعالیٰ و شكر مساعيهم و بارك في جهودهم، آمین۔

یہ چند سطور تو بے اختیار ان کی مخلصانہ خدمات جلیلہ کے اعتراف میں نوک قلم پر آ گئی ہیں، ورنہ گفتگو تو سترے کے موضوع پر ہو رہی تھی۔ گزشتہ رائے گویا ایک صدی قبل کے اہل حدیث مفتی، محقق اور عالم کا نتیجۂ تحقیق ہے۔

---

[1] مجموعہ فتاوی استاذ الاساتذہ حافظ محمد عبداللہ محدث غازی پوری، متوفی 1337ھ، ص:206



www.islamfort.com

یہی رائے عصر حاضر کے محقق، مفتی اور عالم مولانا امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ کی بھی ہے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ جب گزرنے والے کی بابت روکنے کا حکم ہے تو سترے کی حد تین ہاتھ کے برابر ہی ہو گی اور یہ بھی حکم ہے کہ سترہ زیادہ فاصلے پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ قریب ہونا چاہیے۔ تین ہاتھ کی مقدار ہی ایسی ہے کہ نمازی اپنے آگے سے گزرنے والے کو (سترہ نہ ہونے کی صورت میں) روک سکتا ہے۔ اس سے زیادہ فاصلے سے گزرنے والے کو روکنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا تین ہاتھ سے زیادہ فاصلے سے گزرنا جائز ہوگا۔ اس سے زیادہ فاصلے سے گزرنے والے کو روکنا نہ ممکن ہے اور نہ حکم ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم نہیں دے سکتا جو انسان کی حد طاقت سے باہر ہو اور جب یہ حکم نہیں دیا گیا تو اس کا صاف مطلب یہی ہوگا کہ تین ہاتھ کی مقدار سے آگے گزرنا جائز ہے اور ایسا شخص اس وعید کا مستحق نہیں ہوگا جو نمازی کے آگے سے گزرنے والے کی بابت وارد ہے۔ [1]

3......سعودی عرب کے کبار علماء کی رائے بھی یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ چنانچہ مفتی اعظم اور مجتہد و محقق شیخ ابن باز کی رائے فتح الباری کے حاشیے میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

«ومتى بعد المار عما بين يدى المصلي إذا لم يلق بين يديه سترة سلم من الإثم، لإنه إذا بعد عنه عرفا لا يسمى مارا بين يديه كالذي يمر من وراء السترة» [2]

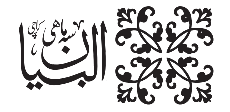
''جب نمازی کے آگے سترہ نہ ہو تو دور سے گزرنے والا گناہ گار نہیں ہوگا، اس لیے کہ دور سے گزرنے والے کو عرف میں نمازی کے آگے سے گزرنے والا نہیں کہا جاتا، دور سے اس کا گزرنا ایسے ہی ہے جیسے وہ سترے کے باہر سے گزر رہا ہے۔''

اور دور سے مراد تین ہاتھ کی مقدار سے زیادہ فاصلے سے گزرنا ہے، جیسا کہ اوپر وضاحت گزری۔

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاوی الدین الخالص: 3/ 563-570

[2] فتح الباری: 1/ 753، طبع دار السلام

www.islamfort.com

حافظ ابن حزم کی رائے بھی یہی ہے، چنانچہ محلیٰ میں ہے:

«من مر أمام المصلى و جعل بينه و بينه أكثر من ثلاثة أذرع فلا إثم على المار و ليس على المصلي منعه، فان مر أمامه على ثلاثة أذرع فاقل فهو آثم إلا أن تكون سترة المصلى أقل من ثلاثة أذرع فلا حرج على المار في المرور وراء ها أو عليها...لم نجد في البعد عن السترة أكثر من هذا، فكان هذا حد البيان في أقصى الواجب من ذلک.»[1]

''جو اپنے اور نمازی کے درمیان تین ہاتھ سے زیادہ کا فاصلہ رکھ کر گزرے تو ایسا شخص گناہ گار نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے روکنا نمازی کے لیے ضروری ہوگا۔ اگر تین ہاتھ کے فاصلے سے یا اس سے کم فاصلے سے کوئی گزرے تو گزرنے والا گناہ گار ہوگا، الاّ کہ نمازی کا سترہ ہی تین ہاتھ سے کم پر ہو تو اس صورت میں سترے کی دوسری جانب یا اس کے اوپر سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا...... سترے اور نمازی کے درمیانی فاصلے کی حد اس سے زیادہ ہمارے علم میں نہیں ہے، اس لیے سترے کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ تک ہونا چاہیے۔''

شیخ ابن عثیمین اس مسئلے میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«و أقرب الأقوال: ما بين رجلين و موضع سجوده، و ذلک لأن المصلي لا يستحق أكثر ما يحتاج إليه في صلاته، فليس له الحق أن يمنع الناس ما لا يحتاجه.»[2]

''تمام اقوال میں صحت کے زیادہ قریب قول یہ ہے کہ سترہ نمازی کے پیروں اور سجدہ گاہ کے فاصلے پر ہو، کیونکہ اتنے فاصلے سے ہی وہ ہاتھ سے گزرنے والے کو روک سکتا ہے، اور اس سے زیادہ فاصلے سے تو روکنا ممکن ہی نہیں ہے۔ تو نمازی کو کس طرح اس کا پابند بنایا جا سکتا ہے جو اس کے امکان ہی میں نہیں ہے۔

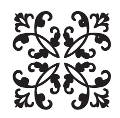
---

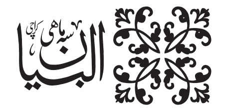
[1] بحوالہ فتاوی الدین الخالص: 3/ 565

[2] الشرح الممتع: 3/ 340



www.islamfort.com





اور جب ایسا ہے تو اس کو اس سے زیادہ فاصلے سے گزرنے والے کو روکنے کا حق ہی نہیں ہے۔''

خلاصۂ بحث

ان تمام اقوال سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ نمازی کو نماز پڑھتے وقت دیوار یا ستون کو سترہ بنا کر یا کسی جانور (اونٹ وغیرہ) کو بٹھا کر نماز (سنتیں وغیرہ) پڑھنی چاہیے، فرض نماز انفرادی ہو تب بھی۔ اور اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو مسجد یا غیر مسجد، ہر جگہ اپنے آگے تین ہاتھ یا مزید ایک بالشت زیادہ کے فاصلے پر سترہ رکھے اس فاصلے کے درمیان سے گزرنا ناجائز اور اس سے زیادہ فاصلے سے گزرنا جائز ہوگا۔ اور ایسا شخص گزرنے کی وعید کا مستحق نہیں ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

حدیث «لو يعلم المار بين يدي المصلي ما ذا عليه، لكان أن يقف أربعين خيرا له من أن يمر بين يديه»[1] میں «بين يديه» (نمازی کے آگے) کے الفاظ سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ ''آگے'' سے مراد نمازی کے پیروں اور سجدہ گاہ کے درمیان کا فاصلہ ہے، اس سے زیادہ فاصلہ ''آگے'' کی ذیل میں نہیں آتا۔

دیگر علمائے اہل حدیث کے فتاویٰ

آخر میں چند دیگر کبار علمائے اہل حدیث کے فتاویٰ درج کیے جاتے ہیں:

ان میں صاحب ''سبل السلام'' اور صاحب ''عون المعبود'' کی بھی یہی رائے نقل کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں مولانا محمد علی لکھوی کا بھی فتویٰ ہے جس میں اسی موقف کی تائید ہے۔ یہ مولانا محمد علی لکھوی بھی ہمارے کبار علماء میں سے ہیں جنھیں آج کل کے نوجوان علماء شاید نہ جانتے ہوں۔ یہ مولانا محی الدین لکھوی اور مولانا معین الدین لکھوی کے والد محترم ہیں۔ پاکستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے، وہیں مستقل سکونت اختیار کی اور ایک عربی خاتون سے شادی کر لی تھی جس سے ان کے دو بیٹے حسن اور حسین ہیں۔ وہیں ان کی وفات ہوئی اور اسی سرزمین مقدس ہی میں آسودۂ خواب ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

---

[1] البخاري (510)، المسلم (507)

www.islamfort.com

ان میں مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی اور مخدومی و مربی حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کے فتاوی ہیں جن میں اگرچہ اسی موقف کی تائید ہے تاہم بطور احتیاط مذکورہ مقدار سے کچھ زیادہ کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ یہ تفصیل حسب ذیل ہے:

نمازی اور سترے میں فاصلہ

سوال: نمازی اگر بغیر سترے کے نماز پڑھ رہا ہو تو گزرنے والا کتنے فاصلے پر سے نمازی کے آگے سے گزر سکتا ہے؟

جواب: مرفوع حدیث میں فاصلہ کی حد بندی مصرح تو میرے علم میں ثابت نہیں، البتہ «بین یدی المصلی» کا لفظ بظاہر یہ چاہتا ہے کہ محل سترہ سے باہر سے اگر گزر جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر احتیاطی طریقہ اختیار کرے تو بہتر ہے۔ (محمد علی از مرکز الاسلام لکھوکی)

مجیب لبیب نے جس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کی شرح میں صاحب سبل السلام نے تحریر فرمایا ہے:

«والحدیث دلیل علی تحریم المرور ما بین موضع جبهته في سجوده و قدمیه»[1]

ہاں ایک روایت میں «رمیة الحجر» کا لفظ آیا ہے اس میں گو ضعف اور معنی کے لحاظ سے محتمل ہے۔ لیکن (احتیاطی طریقہ کے لیے) مفید ہو سکتی ہے ایسے مسائل میں کسی فریق پر تشدد سے بچنا انسب ہے۔ واللہ اعلم (احقر محمد عطاء اللہ بھوجیانی 18 ربیع الثانی 1352ھ)

تبصرہ محدث روپڑی

حدیث ابوداود میں «قذفة بحجر» کا لفظ ہے یعنی پتھر پھینکنے بقدر آگے سے گزر جانے میں کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر ایک دوسری حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے جو یہ ہے:

«إذ جعلت بین یدیک مثل مؤخرة الرحل فلا یضرک من مر بین یدیک»[2]

---

[1] سبل السلام :باب سترة المصلی ج1/ص 143

[2] عمدة القاري-شرح صحیح البخاري:باب سترة الامام سترة من خلفه،ج 7 صفحه222

www.islamfort.com

''یعنی پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر آگے کوئی شے ہواور پھر کوئی تیرے آگے سے گزر جائے تو کوئی حرج نہیں''۔

اس حدیث پر عون المعبود میں لکھا ہے:

«ثم المراد من مر بين يديک بين السترة و القبلة لا بينک و بين القبلة»

''یعنی آگے سے مراد سترہ اور قبلہ کے درمیان ہے نہ نمازی اور سترہ کے درمیان''۔

اس سے معلوم ہوا کہ سبل السلام والے کا یہ کہنا کہ پیشانی رکھنے کی جگہ اور پاؤں کی جگہ کا درمیان مراد ہونے پر دلالت کرتی ہے یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ عون المعبود کی تشریح چاہتی ہے کہ محل سترہ سے بُعد میں آگے ہو پھر ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔ خاص طور پر جب کوئی دوسری روایت نہیں۔ نہ صحیح اور نہ ضعیف تو پھر دلیری بالکل اچھی نہیں۔ [1]

خانہ کعبہ (مسجد الحرام) میں نمازی کے آگے سے گزرنا؟

یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس کی بابت بعض علماء نے جواز کا موقف اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ''فتاوی اہل حدیث'' (از محدث روپڑی) میں ہے:

بیت اللہ شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنا درست ہے۔ منتقی میں حدیث ہے، مطلب بن ابی وداعہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بیت اللہ میں) باب بنی سلم کی جانب یعنی حجر اسود کے سامنے نماز پڑھتے تھے اور لوگ آگے سے گزرتے تھے۔ آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان کوئی سترہ نہ تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ شریف میں سترے کا حکم نہیں ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ وہاں ہر وقت طواف ہوتا ہے اور ہر وقت نماز ہوتی ہے اور ہجوم رہتا ہے، اس لیے سترے کا انتظام مشکل ہے۔

اس حدیث میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن سب مذاہب کا تعامل اس کا مؤید ہے اور اس کے ساتھ مجبوری کو بھی شامل کرلیا جائے (کہ ہجوم کی وجہ سے سترے کا وہاں انتظام مشکل ہے) تو اس سے اور تقویت

[1] عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ، مورخہ 19 ربیع الثانی 1353ھ، 12/ اگست 1933ء، فتاویٰ اہل حدیث: 2/ 116، طبع اول

www.islamfort.com

ہو جاتی ہے۔ پس اس حدیث کی بنا پر بیت اللہ شریف سترے کے حکم سے مستثنیٰ ہو گا۔ (1)

دوسرا موقف: یہ ہے کہ مسجد حرام میں (اگر چہ ہجوم کی وجہ سے اس میں مشکلات ہیں) بالخصوص غالباً جواز کے موقف کی وجہ سے لوگ اس کی اہمیت سے بالعموم غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں تاہم اس کے باوجود اس کا جواز محل نظر ہے۔ شرعی دلائل اس کے عدم جواز ہی کے مؤید ہیں۔

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1)......سترے کے وجوب اور اہمیت پر مبنی جتنی احادیث ہیں، وہ مطلق ہیں، وہ جس طرح کھلی فضا اور مساجد وغیرہ ہر مقام کو شامل ہیں، اسی طرح ان میں مسجد حرام (بیت اللہ) بھی شامل ہے۔ کسی حدیث سے اس کا استثنا ثابت نہیں۔

(2)......مطلب بن ابی وداعہ کی جس حدیث سے مسجد حرام میں سترہ نہ رکھنے پر استدلال کیا گیا ہے اس کے ضعف کا اعتراف تو کیا گیا ہے لیکن اس سے استدلال بھی کیا گیا ہے حالانکہ وہ روایت سخت ضعیف اور نا قابل استدلال ہے۔ (2)

(3)......علاوہ ازیں اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے، تب بھی اس سے استدلال جائز نہیں ہو گا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں:

«قدتقررفي الأصول أن فعله لايعارض القول الخاص بنا،وتلک الأوامرالسابقةخاصة بالأمة، فلا يصلح هذا الفعل أن يكون قرينة لصرفها۔»

''اصول میں یہ بات طے ہے کہ نبی ﷺ کا فعل آپ کے ان قولی احکام کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جا سکتا جن کا آپ نے خاص طور پر حکم دیا ہے اور سابقہ احادیث جن میں امت کو بالخصوص سترے کا حکم ہے، آپ

---

(1) فتاوی اہل حدیث از حافظ عبداللہ محدث روپڑی: 2/ 116-117، طبع اول

(2) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''المنتقی'' کی شرح ''نیل الاوطار'' (باب دفع المار وما عليه من الاثم......: 3/ 9، طبع مصطفی البابی الحلبی، مصر۔ فتاوی الدین الخالص: 3/ 571، 572)

www.islamfort.com

کا فعل اس بات کا قرینہ (دلیل) نہیں ہوسکتا کہ وہ قولی حدیث سے ثابت شدہ حکم کو اس کے مصرف سے پھیر دے۔"[1]

④ صحیح احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسجد حرام میں بھی سترہ رکھنے کا اہتمام ثابت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«اعتمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فطاف بالبيت و صلى خلف المقام ركعتين و معه من يستره من الناس»۔[2]

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمرے میں بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں ادا فرمائیں اور آپ کے ساتھ ایسے لوگ تھے جو لوگوں کے لیے سترہ تھے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی عمل حضرت جابر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے موقع پر بیان فرماتے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«حتى اذا أتينا البيت معه، استلم الركن فرمل ثلاثا و مشى أربعا، ثم تقدم إلى مقام إبراهيم فقرأ ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [البقرة:125] فجعل المقام بينه و بين البيت۔»[3]

"یہاں تک کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ آئے، آپ نے رکن کا استلام کیا اور تین چکروں میں رمل کیا اور چار چکروں میں عام رفتار سے چلے، پھر مقام ابراہیم پر آ کر آیت ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [البقرة: 125] پڑھی اور (دو رکعت ادا کرنے کے لیے) آپ نے مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا۔"

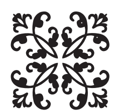
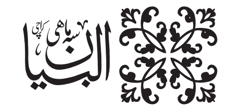
---

[1] نیل الاوطار، باب مذکور، ص: 7-9

[2] صحيح البخاري: كتاب الحج، باب من لم يدخل الكعبة، حديث: 1600

[3] صحيح المسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي: 1218

www.islamfort.com

گویا اس طرح سترے کا اہتمام کرلیا۔

آپ نے جب کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی تو کعبہ کی دیوار کو سترہ بنایا تھا، دیوار کعبہ اور آپ کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ تھا۔[1]

⑤ سیدنا انس بن مالک کا عمل: جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ان کا عمل بھی مسجد حرام میں سترہ رکھنے کا مؤید ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں:

«رأيت انس بن مالک في المسجد الحرام قد نصب عصا يصلي إليها۔»[2]

''میں نے انس بن مالک کو دیکھا: انھوں نے مسجد حرام میں لاٹھی کھڑی کی، اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھی۔''

مذکورہ دلائل کی روشنی میں واضح ہے کہ مسجد حرام (بیت اللہ) میں بھی سترے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ بلاشبہ وہاں نمازیوں کا ہر وقت بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض علما نے کثرت ہجوم کی وجہ سے اس کا جواز بھی تسلیم کر رکھا ہے جس کی وجہ سے لوگ وہاں بالعموم اس کی پروا نہیں کرتے۔ لیکن ازدحام (کثرت ہجوم) یا لوگوں کا پروانہ کرنا، سترہ نہ رکھنے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ شرعی دلائل خانہ کعبہ میں بھی سترہ رکھنے ہی کی تائید کرتے ہیں۔ و اللہ أعلم و علمه أتم وأکمل۔

چند ضروری وضاحتیں

① بلی کے گزرنے سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسے سیاہ کتے، عورت وغیرہ کے گزرنے سے نماز قطع ہو جاتی ہے۔ (کما مرّ)

② قطع سے مراد خشوع میں کمی نہیں بلکہ نماز کا ٹوٹ جانا ہے۔ (کما مرّ)

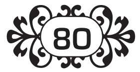
③ عورت سے مراد بالغہ عورت ہے۔ نابالغ بچی کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔

④ عورت، سیاہ کتے وغیرہ کے گزرنے سے نماز ٹوٹے گی۔ لیکن اگر یہ چیزیں نمازی کے آگے بیٹھی یا لیٹی ہوئی ہوں تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ سیدہ عائشہ لیٹی ہوتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔

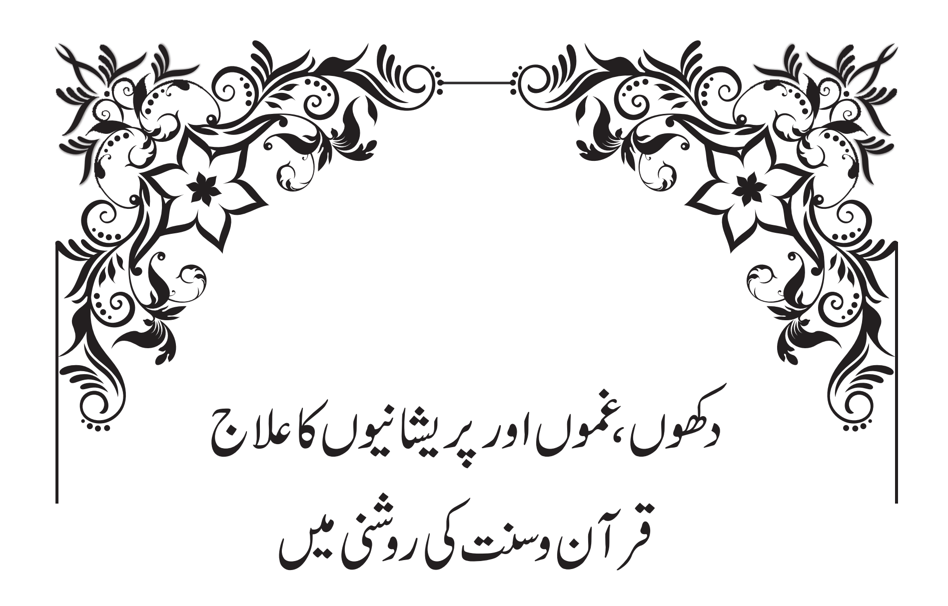
---

[1] صحیح البخاری، حدیث:1599

[2] مصنف ابن ابی شیبہ:1 / 277، اسنادہ صحیح



www.islamfort.com



دکھوں، غموں اور پریشانیوں کا علاج
قرآن وسنت کی روشنی میں

جمع وترتیب: محمد کامران یاسین [1]

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على هادي الأنام وخاتم الأنبياء والمرسلين نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

اس حقیقت سے کوئی انسان انکار نہیں کرسکتا کہ دنیا میں ہر امیر غریب، نیک وبد کو قانون قدرت کے تحت دکھوں، غموں اور پریشانیوں سے کسی نہ کسی شکل میں ضرور واسطہ پڑتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دنیا دار العمل اور امتحان گاہ ہے، انسان یہاں آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اسے آزادی سے نیکی اور بدی کرنے کی قوت دی گئی ہے جسے بروئے کار لاکر وہ نیکی کی صورت میں اجر وثواب اور نافرمانی کی صورت میں عذاب وسزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

غربت وتنگدستی اور امارت وخوشحالی بھی، اس دنیا کے دار العمل ہونے کا ایک حصہ ہے۔ یہاں دو قسم کے لوگ بستے ہیں، ایک وہ جو آسودہ حال اور دولت مند ہیں اور ہر قسم کی آسائش وآرام سے بہرہ ور ہیں۔ دوسرے وہ جو غریب ومفلوک الحال ہیں اور زندگی کی ضروریات سے بھی محروم ہیں۔ مصائب وآلام انہیں

[1] ریسرچ اسکالر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی



www.islamfort.com




ڈستے رہتے ہیں اور وہ زندگی یوں گزارتے ہیں جیسے دکھوں کے منوں بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں اور اس بوجھ میں تخفیف کے آثار بھی دکھائی نہ دیتے ہوں۔

انسان کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتا ہو، اسے دکھوں سے مفر نہیں، یہ الگ بات ہے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دکھوں سے واسطہ پڑتا ہے اور زندگی اسے پہاڑ نظر آنے لگتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مصائب و آلام سے چھٹکارا حاصل کرے مگر وہ اس طرح گلے کا ہار بن جاتے ہیں کہ روایتی کمبل کی طرح چھوڑنے کا نام نہیں لیتے۔ گلے کا ہار بننے والے ان دکھوں کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا، کسی بھی پہلو سے وہ زندگی کے لئے عذاب بن سکتے ہیں۔ مسلسل ناکامیاں اور حوصلہ شکن محرومیاں انہیں جنم دیتی ہیں اور غم کے اندھیرے غاروں میں جا گراتی ہیں۔ اقتصادی بدحالی، معاشرتی ناہمواری، عدم مساوات، ظلم وستم، ناانصافی اور ریاستی جبر بھی اس کے اسباب میں سے ہیں، جس سے انسان کا ذہنی توازن بگڑ جاتا ہے اور جسمانی قوت اس طرح متاثر ہوتی ہے کہ وہ صدیوں کا بیمار نظر آنے لگتا ہے۔ اس دکھ بھری دنیا کے سمندر میں تنکے کی طرح بہنے کے باوجود انسان ہاتھ پاؤں ضرور مارتا ہے اور یہ کوشش کرتا رہتا ہے کہ دکھوں سے نجات پالے اور غموں کے بھنور سے باہر آجائے۔

واضح رہے کہ مصیبتوں اور دکھوں کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ ایک نفسیاتی اور روحانی، دوسری جسمانی اور بیرونی ذیل میں نفسیاتی اور روحانی پریشانیوں کا بالتفصیل ذکر کرنا چاہوں گا۔

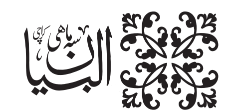
نفسیاتی پریشانیاں: نفسیاتی پریشانیوں سے مراد وہ تمام نفسیاتی امراض اور جلد اثر کر جانے والے جذبات ہیں جن کی وجہ سے انسان اپنا توازن اور خود پہ کنٹرول کھو بیٹھتا ہے۔ اگرچہ اس طرح کی پریشانیاں بہت زیادہ ہیں اور ان پر علیحدہ علیحدہ بالتفصیل بحث ہوسکتی ہے لیکن ہم ان میں سے صرف انہی کا ذکر کریں گے جن کا عام طور پر لوگ شکار ہوتے ہیں۔

الھم: (پریشانی)

انسان کا معمولی وغیر معمولی چیزوں کے بارے مسلسل پریشان رہنا «الھم» کہلاتا ہے۔ بعض اوقات یہ



www.islamfort.com





پریشانی مستقبل میں درپیش چیلنجز اور مسئولیت کے بارہ میں ہوتی ہے۔ یہ ایسا نفسیاتی مرض ہے جو شیطان انسان کے دل میں وسوسوں کی صورت میں ڈالتا ہے اور اس کے روزمرہ کے معمولات کو اگرچہ وہ چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں، ایک پہاڑ کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ یہ پریشانیاں انسان کو کمزور کر دیتی ہیں اور انسان حوادثات زمانہ میں پھنس کر رہ جاتا ہے، خصوصاً جب انسان اپنے خالق حقیقی سے کٹ جائے، سنت نبوی ﷺ سے اپنے مسائل کا حل تلاش نہ کرے اور اپنے ازلی دشمن کی پیروی کرے تو اللہ تعالیٰ انسان کو ان پریشانیوں کے ذریعے آزماتا ہے تاکہ انسان معصیت کو چھوڑتے ہوئے رجوع الی اللہ کرے اور اپنے پیدا کرنے والے کی رضا و منشا کے مطابق چلے۔

حزن: (غم)

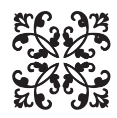
اسے ماہرین نفسیات کی اصطلاح میں «کآبہ» کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ لفظ اکثر ان غموں پر بولا جاتا ہے جو کسی معین حادثہ کی پیش آنے کی وجہ سے لگ جاتے ہیں یا کئی حادثات کا نتیجہ ہوتے ہیں جیسے اپنے کسی عزیز کی گمشدگی، مالی خسارہ، طویل مرض کا لگ جانا یا نامناسب سوسائٹی کے ساتھ رہنا پڑ جائے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اسباب ہوتے ہیں جو انسان کے ہاں اس طرح کے غم کو پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں، یہ ایک طبعی وفطری معاملہ ہے چنانچہ جب اس کے اسباب پائے جائیں گے تو یہ صورت حال ضرور پیدا ہوگی۔ تقریباً ہر انسان اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے میں ان غموں سے چھٹکارا صرف قرآنی احکامات اور سنت نبوی ﷺ سے ہی ممکن ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ سے ایسی ہی رہنمائی ہمیں اس وقت ملتی جب آپ ﷺ کے لخت جگر کی وفات ہوئی۔ اس حادثے کا آپ ﷺ نے گہرا اثر لیتے ہوئے فرمایا تھا: اے ابراہیم! تیری جدائی نے اتنا غمگین کر دیا ہے کہ آنکھیں اشک بار ہیں ہی اور دل افسردہ ہے لیکن ہم زبان سے صرف وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو۔

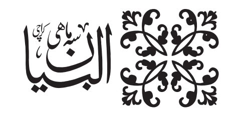
القلق: (اضطراب و بے چینی ڈپریشن)

ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ انسان کا کسی مخفی اور غیر معروف چیز کے اپنے اوپر واقع ہونے کا خوف محسوس



www.islamfort.com





کرنا قلق (اضطراب) کہلاتا ہے۔قلق ایک ایسی نفسیاتی بیماری ہے جو کسی کو بھی لاحق ہوتی ہے تو وہ خود کو غیر محفوظ محسوس کرتا ہے، نہ خود میں ٹھہراؤ اور نہ ہی اپنے ماحول میں امن پاتا ہے، بلکہ ایسے شخص میں ہمہ وقت اضطراب اور طبیعت میں کشیدگی و کھینچاؤ کی کیفیت رہتی ہے۔ یہ تکلیف عموماً کسی غیر مانوس چیز کو دیکھنے، اچانک حملے یا اخلاقیات سے گرے ''جواری، شراب نوش، دھوکے باز'' رفقاء کے ملنے اور غیر محفوظ مستقبل کا خوف دامن گیر ہونے والے شیطانی وسوسوں سے جنم لیتی ہے۔ یہ چیزیں انسان میں اندرونی کوتاہیوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ان کی وجہ سے انسان اوران شیطانی وسوسوں کے درمیان ایک ذہنی کشمکش شروع ہوجاتی ہے جن پر شیطان کو موقع ہاتھ آتا ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ، بھٹکاتا ،شکوک وشبہات اور ذہنی ،فکری ونفسیاتی ٹکراؤ پیدا کرتا ہے۔ظاہر بات ہے ان قوتوں پر شیطان کو غلبہ دے دیا گیا ہے۔

الخوف:(ڈر)

بعض ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ خوف ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان نفسیاتی بے چینی اور اعصابی تناؤ محسوس کرتا ہے۔عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ مسلسل خوف و ہراس کی کیفیت میں رہتے ہوئے انسان سرکش ہوجاتا ہے۔حالات سے بے گانہ ہوجاتا ہے۔

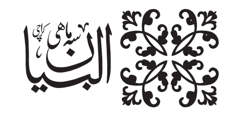
واضح رہے کہ خوف کی دوصورتیں ہوتی ہیں۔ایک ایجابی ومثبت اور دوسرا سلبی ومنفی کا نوعیت کا خوف۔

مثبت یہ ہے کہ اللہ کے عذاب وسزا کا خوف ہو۔ یہ ہر انسان کے لئے ضروری اور مطلوب ہے۔ بلکہ یہی وہ خوف ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کرنی چاہیے۔ یہ انسان کی زندگی میں رویے کی اصلاح کرتا ہے۔فرد اور معاشرے کے باہمی تعلق میں توازن بھی اسی سے ممکن ہے۔مومنین کو اللہ تعالیٰ نے اسی صفتِ خوف سے متصف کیا ہے۔

اور منفی نوعیت کا خوف وہ ہوتا ہے جس میں غیر اللہ سے ڈرا جائے۔ یا اطاعت الٰہی میں مانع ہو یا جس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے انسان اللہ کی نافرمانی مول لے بیٹھتا ہے۔جیسے جادوں گروں اور دجالین کا خوف۔



www.islamfort.com





فطری اور پیدائشی خوف کی ایک تیسری قسم بھی بنائی گئی ہے،یعنی وہ خوف جو بذات خود مثبت یا منفی میں سے کسی نوعیت کا بھی حامل نہیں جیسے وہ انسان جو اندھیروں کا عادی نہیں ہوتا اسے تاریکیوں سے ڈر لگنا شروع ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔تاہم خوف کی یہ نوعیت اگرچہ بذات خود تو معصیت کے ارتکاب اور ترک اطاعت میں کوئی دخل نہیں رکھتی لیکن اگر یہی صورت بندے کے لئے کسی فعل معصیت میں مانع ہو جائے یا کسی فعل اطاعت کا موجب بن جائے تو یہ بھی مثبت اور منفی ہو جاتی ہے۔

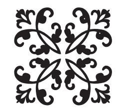
اسی طرح خوف کی متعدد صورتیں ہیں جیسا کہ موت کا خوف،لوگوں کا ڈر،کسی بیماری کا خوف،فقر و غربت کا خوف اور غیر محفوظ مستقبل کا خوف ان کے علاوہ متعدد ایسے اسباب و موثرات ہیں جو انسان میں خوف کو جنم دیتے ہیں۔

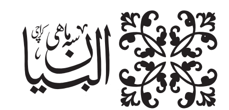
الیأس:(مایوسی)

مایوسی اس ذہنی کیفیت کو کہتے ہیں جس میں انسان اس وقت مبتلا ہوتا ہے جب وہ اپنی آرزوں کے ناموافق حالات پاتا ہے۔یہ امید کے برعکس ہے،ناامیدی ایک ایسا مرض ہے کہ جسے ہمیشہ منفی صورت میں اثر انداز ہونے والی پریشانی خیال کیا جاتا ہے۔اس سے پستیاں مقدر بنتی ہیں۔مایوس انسان زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے چلا جاتا ہے۔وہ غور و فکر کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔اس سے انسانی آزادی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔مایوسی سے ترقی و ایجادات اور حصول مقاصد میں بہت بڑی رکاوٹ آکھڑی ہوتی ہے۔مایوس انسان کا شیطان متلاشی ہوتا ہے۔اس کے ملنے سے شیطان کی فرحت و سرور کی کوئی انتہاء نہیں رہتی۔پھر وہ ان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔جن پہلوؤں سے وہ غالب ہوتے ہیں انہیں خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے۔تاکہ یہ اپنے سارے نظام زندگی میں ان کے تابع ہو جائیں۔دشمنان اسلام کو ایک سپر طاقت کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ان کی عقل و فکر اور صنعتی ترقی کو بڑا چڑھا کر دکھاتا ہے۔یہاں تک کہ مایوسیوں کے مارے ہوئے لوگ پکار اٹھتے ہیں''ہم ان ترقی یافتہ قوموں کے ہم پلہ کیسے ہو سکتے ہیں ہماری حالت اور ان کی حالت کے کیسے برابر ہو سکتی ہے؟ یہ ایسی بڑی پریشانی اور خطرناک مرض ہے جسکی وجہ سے مسلمانوں کے بڑے



www.islamfort.com





بڑے لشکر بھی پاؤں تلے روند دیے گئے“۔

ان تمام آلام ومصائب سے نکلنے کے عموماً دو رستے اختیار کیے جاتے ہیں ان میں پہلا ذریعہ صرف اور صرف توجہ الی اللہ ہے اور یقین کامل رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہر قوت پر غالب ہے، ہر سرکش پر حاوی ہے، یہ اسی کی شان ہے کہ اس کی ملکیت و بادشاہت پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اس کائنات میں کچھ بھی ایسا نہیں کہ اس کے امر اور حکمت کے بغیر حرکت کر سکے، جب اس درجہ کا ایمان ویقین انسان کو حاصل ہوتا ہے تو ان پریشانیوں کی تکالیف اور ان کے اثر ورسوخ سے خود کو آزاد کر سکتا ہے، عالم یکسوئی اور عالم شجاعت کی منازل کو طے کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ بے خوف ہو کر محنت کرتا ہے۔ مشقت اٹھاتا ہے۔ حالات بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی کو ایک ایسی ذات سے منسلک کر لیتا ہے جو ہر چیز پر غالب اور سخت گیر ہے۔

اور دوسرا رستہ جو اختیار کیا جاتا ہے وہ سراسر شریعت کے خلاف بھی ہے اور بلکہ مزید پریشانی کا باعث بھی ہے آپ آئے دن اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے نوکری نہ ملنے کی وجہ سے خودکشی کر لی، فلاں دوشیزہ نے محبت کی ناکامی میں اپنی جان دے دی، فلاں آدمی بیماری سے تنگ آکر پنکھے سے لٹک گیا الغرض بے شمار قسم کے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں اور بہت سے مسلمان کلمہ پڑھنے والے بسا اوقات تھوڑی سی پریشانی کی وجہ سے موت کو گلے لگا لیتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے جہنم چلے جاتے ہیں یا پھر نشہ آور اشیاء کے استعمال اور حرام کاریوں کے ذریعہ اس غم اور اضطراب کو ختم کرنے یا کم کرنے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے۔

میرے بھائیو اور قابل احترام بہنو! یہ دنیا مصیبتوں، پریشانیوں اور غموں کا گھر ہے، بعض لوگ اولاد کی نافرمانی کی وجہ سے پریشان بعض خواتین اپنے خاوند کی بے راہ روی کے متعلق غمگین رہتی ہیں، کچھ لوگ مال، اسباب کے ختم ہو جانے پر غم میں ڈوبے رہتے ہیں، بعض لوگوں کو اولاد نہ ہونے کا غم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ﴾[البلد:4] ”یقیناً ہم نے انسان کو (بڑی)



www.islamfort.com

مشقت میں پیدا کیا ہے''۔غم،دکھ اور پریشانی کا آجانا کوئی نئی بات نہیں یہ تو اس کائنات کے افضل ترین انسانوں یعنی انبیائے کرام کو بھی آئیں۔

کائنات کے امام کو بھی ایک غم تھا جس کا ذکر قرآن نے ان الفاظ میں کہا﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾[الکھف:6] ''پس اگر یہ لوگ اس بات (یعنی قرآن) پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اس غم میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے''۔

کس قدر اپنی امت کا غم ہے، کہ میری پوری امت جنت میں چلی جائے۔قرآن کی ایک آیت بار بار تلاوت کرتے۔
﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[المائدہ:118]
''اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو معاف فرما دے تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے''۔

آج ہمیں دنیا کی فکر ہے کسی طرح ہماری دنیا اچھی ہو جائے،آخرت کی کوئی فکر نہیں،قبر کی کوئی فکر نہیں جہاں ہزاروں سال رہنا ہے روز محشر کی کوئی فکر نہیں جس کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔جہنم کی کوئی فکر نہیں جس کے بارے میں ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا:''آگ سے بچو خواہ ایک کھجور کا ٹکڑا ہی دے کر بچ سکتے ہو''۔[1]

دکھوں،غموں اور پریشانیوں کا علاج

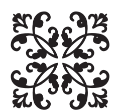
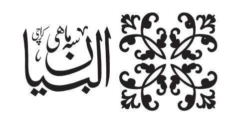
اس تمہید کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ دکھوں،غموں اور پریشانیوں کا علاج آخر کیا ہے؟

غم اور پریشانیوں کا علاج تو آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن وحدیث میں بڑے احسن انداز کے ساتھ بیان کر دیا گیا۔وہ انسان خوش قسمت ہے جو اس غم،دکھ اور پریشانی کو صبر اور حوصلہ کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري:كتاب الزكوة،باب اتقوا النار ولو بشق تمرة والقليل من الصدقة

www.islamfort.com

پہلا علاج: اصلاح عقیدہ

بے شمار دکھوں، غموں اور پریشانوں کی بنیادی وجہ عقیدہ کی خرابی ہے، کتنے ہی مسائل ایسے ہیں جو عقیدہ کی نعمت سے محرومی کی بنا پر ہمارے لئے مصیبت بنے ہوئے ہیں اور بہت سارے لوگوں کا اس طرف دھیان بھی نہیں، صحیح عقیدہ دین اسلام کی بنیاد ہے اور ملت اسلامیہ کی اساس اسی پر قائم ہے اور انسان کے تمام اقوال وافعال اسی وقت صحیح اور بارگاہ الٰہی میں قبول ہوں گے جب اس کا عقیدہ صحیح اور درست ہوگا۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ [النحل:36]

”ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام (باطل) معبودوں سے بچو“۔

ہر قسم کی مالی، بدنی عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں فرمایا: (قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) [الانعام:162]

”کہہ دو میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے“۔

اللہ تعالیٰ کائنات کے امام کو مخاطب ہیں ﴿وَلَقَدْ اُوْحِىَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [الزمر:65]

”یقیناً آپ کی طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو بلاشبہ آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین آپ زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا۔“

تمام انبیا کی دعوت کا اساس عقیدہ توحید تھی اور آج بہت سارے مسلمانوں میں عقیدے کا بگاڑ ہے۔ مشکل کشا ہمارا کوئی اور ہے حاجت روا اور ہے بگڑی بنانے والا دستگیر اور ہے۔ اس لیے ہر شخص اپنے عقیدے کی اصلاح کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾ [النساء:48]



www.islamfort.com

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سواء جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا''۔

نیز فرمایا: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭوَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ [المائدہ:72] ''یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا''۔

دوسرا علاج: تقویٰ

جس مسلمان کو تقویٰ کی دولت نصیب ہو جائے وہ غموں اور پریشانیوں سے آسانی سے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اتنی آسانیاں اور کشادگیاں پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اندازہ بھی نہیں کرسکتا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ﴾ [الاعراف:96]

''اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے''۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق:2،3]

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو''۔

یعنی آزمائشوں، مصیبتوں، غموں اور پریشانیوں سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دیتا ہے اور رزق بھی عطا فرماتا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ [الطلاق:4]

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے (ہر) کام میں آسانی کر دے گا''۔

www.islamfort.com

تیسرا علاج: کثرت سے استغفار و توبہ

اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے عذاب پر حاوی ہے، انسان جب کسی مصیبت پریشانی اور غم میں مبتلا ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے کثرت کے ساتھ استغفار و توبہ کرے، یعنی فوراً اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے پروردگار سے مغفرت طلب کرے، اور اس کی طرف رجوع کرے، سچی توبہ کرتے ہوئے گناہوں کو چھوڑنے کا عہد کرے، کیونکہ اکثر مصائب انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ [الشوری: 30]

''تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا بدلہ ہے، اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرما دیتا ہے''۔

اور یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے ورنہ اگر ہمارے ہر گناہ پر پکڑ ہوتی، جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ [الفاطر آیت: 45]

''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب ان کی پکڑ فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا''۔

انسان جب گناہ کرتا ہے تو اس کا نتیجہ پریشانی اور غم کی صورت میں سامنے آتا ہے کیونکہ گناہ کی لذت وقتی اور عارضی ہوتی ہے، اور گناہوں کی نحوست اس کے دن کا آرام اور راتوں کی نیند چھین لیتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ [ہود: 3]

www.islamfort.com

’’اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ رہو، وہ تم کو وقت مقرر تک اچھا سامان (زندگی) دے گا‘‘۔

نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو یہ ہی درس دیا، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا: (فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا) [نوح آیت:10 تا13]

’’اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا اور تمہیں خوب پے درپے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں نکال دے گا۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے‘‘۔

چوتھا علاج: اللہ تعالیٰ کا ذکر

فرمان باری تعالیٰ ہے:

(اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ) [الرعد:28]

’’جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے‘‘۔

ذکر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید بھی ہے، ذکر اللہ سے مراد دعا، تلاوت قرآن، نوافل بھی ہے۔ کائنات کے امام کا فرمان ہے: ’’جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم صحیح ہوتا ہے، اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور وہ دل ہے۔‘‘[1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ [البقرۃ:152]

’’اس لئے تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا‘‘۔

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الايمان، باب فضل من استبرأ لدينه

www.islamfort.com

حدیث قدسی ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جیسا وہ مجھ سے گمان رکھے جب وہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر اپنے جی میں ذکر کرے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ کسی مجلس میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔“ [1]

ذکر اللہ کا فائدہ: جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو جائے تو کیا پھر پریشانیاں، دکھ اور غم اس کے قریب آئیں گے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [الاحزاب:35]

”بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں (ان سب کے) لئے اللہ تعالیٰ نے (وسیع مغفرت) اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے“۔

انبیا علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر کرنے کا حکم دیا۔

جب زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں: ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ [آل عمران:38]

”اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بیشک تو دعا کا سننے والا ہے۔“

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ﴾ [آل عمران:41]

”تو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کر اور صبح شام اسی کی تسبیح بیان کرتا رہ“۔

یونس علیہ السلام ایک بہت بڑے غم، پریشانی اور دکھ و مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں ایک بہت بڑی مچھلی

---

[1] صحیح المسلم: باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ، ج4 ص2061

www.islamfort.com

اللہ کے حکم سے ان کو نگل کر سمندر کی تہہ میں جا بیٹھتی ہے، رات کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، اور سمندر کی تہہ کا اندھیرا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [الانبیاء:87]

''بالآخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اٹھا کہ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو پاک ہے بیشک میں ظالموں میں ہو گیا''۔

پھر فرمایا: ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ﴾

''تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی''۔

پھر فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الانبیاء:88]

''اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیا کرتے ہیں''۔ نیز فرمایا:

﴿فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ (لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ [الصافات:143،144]

''پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔ تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں لیکن میزان میں وزنی ہیں اور اللہ کو محبوب ہیں۔''

«سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ»

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«سُبْحَانَ اللهُ وَالْحَمْدُ للهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ»

کہنا میرے نزدیک ہر اس چیز سے محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

www.islamfort.com

اندازہ کریں سورج جب طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی تمام چیزوں پر پڑتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص «سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ»

کہتا ہے اس کیلئے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔

سیدنا ابی ذر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ تمہیں نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ضرور بتائیں۔ فرمایا: کہو «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ»

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا: ''افضل ترین ذکر «لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ» اور افضل دعا (الْحَمْدُ لله) ہے۔''

پانچواں علاج: نیک اعمال

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ نیک اعمال کرنے کا حکم اور ترغیب دی ہے، اور یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ نیک اعمال ہی دنیا اور آخرت کی فلاح کا راستہ ہیں۔ جہاں نیک اعمال کا اہتمام انسان کی کامیابی کی بنیاد ہے، وہاں غموں، پریشانیوں اور دکھوں سے بچنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [النحل:97]

''جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم یقیناً اسے نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔ (حَيٰوةً طَيِّبَةً) بہتر زندگی سے مراد دنیا کی زندگی ہے، یعنی دنیا کی زندگی میں بھی وہ خوش اور اسے سکون ملے گا، دوسرا فائدہ اور آخرت میں بھی جو اس نے نیک اعمال کیے تھے اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ ﴿اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا﴾ [الكهف:30]

''ہم کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں کرتے''۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے

www.islamfort.com

سے ایک جنازہ گزرا کائنات کے امام نے فرمایا: ''یہ آرام پانے والا یا آرام دینے والا ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو سمجھ نہیں آئی ،کائنات کے امام نے فرمایا: ایماندار نیک عمل کرنے والا بندہ تو مر کر دنیا کی تکالیف،مصیبتوں اور غموں سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کی رحمت میں آرام پاتا ہے، اور بے ایمان،فاسق و فاجر کے مرنے سے دوسرے لوگ،شجر،درخت اور چوپائے آرام پاتے ہیں۔''[1]

اس لیے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی زندگی خوشحال اور پرسکون ہو تو نیک اعمال میں جلدی کریں۔ جیسا کہ کائنات کے امام نے فرمایا:

«بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنْ الدُّنْيَا»[2]

''ان فتنوں کے ظاہر ہونے سے پہلے جلد جلد نیک اعمال کرلو جو اندھیری رات کی طرح چھا جائیں گے صبح آدمی ایمان والا ہوگا اور شام کو کافر یا شام کو ایمان والا ہوگا اور صبح کافر اور دنیوی نفع کی خاطر اپنا دین بیچ ڈالے گا۔''

دکھوں،غموں اور پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو نیکیوں کی طرف جلدی کریں۔اعمال صالحہ ایسی نیکیاں ہیں جو ظاہر طور پر ہلکی پھلکی ہیں، جنہیں ہم معمولی سمجھ کر ضائع کر دیتے ہیں، حالانکہ قطرے قطرے سے سمندر بنتا ہے، کئی چھوٹی چھوٹی نیکیاں مل کر ایک بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث بن سکتی ہیں پھر ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی انسان کی معمولی سے نیکی کی وجہ سے اس کی مغفرت کر دیتا ہے جیسا کہ حدیثِ مبارکہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ایک آدمی چل رہا تھا، اسی دوران میں اسے پیاس لگی وہ ایک کنویں میں اترا اور اس سے پانی پیا، کنویں سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا

---

[1] صحيح البخاري: حديث-6147،صحيح المسلم-950

[2] صحيح المسلم :باب الآبار على الطرق اذا لم يتأذبها

www.islamfort.com

ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا ہے، اس نے کہا کہ اس کو بھی ویسی ہی پیاس لگی ہوگی جیسی مجھے لگی تھی، چنانچہ اس نے اپنا موزہ پانی سے بھرا پھر اس کو منہ سے پکڑا پھر اوپر چڑھا اور کتے کو پانی پلایا اللہ نے اس کی نیکی قبول کی، اور اس کو بخش دیا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا چوپائے میں بھی ہمارے لئے اجر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر تر جگر والے (یعنی جاندار) میں ثواب ہے۔''

جبکہ بعض اوقات ایک معمولی سا گناہ بھی کسی انسان کو رحمت الٰہی سے دور کر دیتا ہے۔ سیدہ اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسوف کی نماز پڑھی، اور فرمایا: ''مجھ سے دوزخ قریب ہوگئی یہاں تک کہ میں نے کہا کہ اے پروردگار! کیا میں بھی ان دوزخیوں کے ساتھ ہوں گا! اتنے میں میری نظر ایک عورت پر پڑی، میں نے خیال کیا کہ اس کو ایک بلی نوچ رہی ہے، آپ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو فرشتوں نے کہا کہ اس عورت نے بلی کو قید کر رکھا تھا (نہ اپنے گھر کھلایا نہ آزاد کیا نہ وہ خود کچھ کھالے) یہاں تک کہ بھوک کے سبب سے مرگئی۔''

آج دنیا کی زندگی میں شاید ہمیں نیکیوں کی قدر و قیمت کا احساس نہیں لیکن کل قیامت کے دن یہ ہی وہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہوں گی جو ہمارے نامہ اعمال کو بھر دیں گی اس لیے نیک اعمال کر کے اس دنیا کو بھی اچھا بنائیں اور اپنی آخرت کو بھی سنواریں تا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی حاصل ہو۔ آیئے چند ایک نیکیوں کی طرف نظر ڈالیں۔

(1) اچھی نیت کرنا (2) کسی مسلمان کی مدد کرنا (3) کسی مسلمان کے عیب کے پردہ پوشی کرنا (4) نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا (5) سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھنا (6) نماز جنازہ پڑھنا (7) دینی علم سیکھنا (8) سلام کرنا، سلام کا جواب دینا (9) پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا (10) صلح کرادینا (11) جماعت میں صف کے خلا کو پر کر دینا (12) صلہ رحمی کرنا (13) تلاوت قرآن کریم (14) زبان کو قابو میں رکھنا (15) فرض نماز کے بعد اذکار (16) جمعہ کے دن جلدی مسجد جانا (17) وضو کے بعد دعا پڑھنا (18) پہلی صف میں دائیں طرف نماز پڑھنا (19) اللہ سے دعا کرنا (20) ذکر اللہ کرتے

www.islamfort.com




رہنا (21) درود شریف پڑھنا۔

چھٹا علاج: یہ شعور کہ غم گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہیں

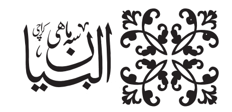
ایک سچا مسلمان اس بات کو جانتا ہے کہ اسے دنیا میں جو بھی چھوٹا بڑا غم یا پریشانی لاحق ہوتی ہے اس کے بدلے اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں جیسا کہ صادق و مصدوق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمانوں کو جب کوئی رنج، دکھ فکر، حزن ایذا اور غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ دور کر دیتا ہے۔''

اس حدیث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک مسلمان کو پہنچنے والا ہر غم اور پریشانی دکھ محض بیکار نہیں بلکہ اس کی نیکیوں اور اچھائیوں میں اضافے اور اس کے گناہوں میں کمی کا باعث ہے۔ (شرط) یہ ہے کہ انسان کا عقیدہ درست ہو اور وہ صبر کرے۔ علمائے سلف میں سے بعض نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اگر غم نہ ہوتے تو ہم قیامت کے دن مفلس اور خالی ہوتے، ان میں سے بعض وہ بھی تھے جو غم پریشانی اور مصیبت پر ایسے ہی خوش ہوتے جیسے ہم کوئی نعمت ملنے پر خوش ہوتے ہیں۔ کسی کی غلطی کی سزا اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ہی دے دے اور آخرت کا عذاب اس سے ختم کر دیا جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوگی۔

مسند احمد میں یہ روایت ہے کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی کی ملاقات ایسی عورت سے ہوئی جو زمانہ جاہلیت میں جسم فروشی کیا کرتی تھی، اس آدمی نے اس عورت سے چھیڑ خانی شروع کر دی اس عورت نے کہا رک جاؤ اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کا دور ختم کر دیا ہے، اور ہمیں اسلام کی طرف ہدایت دی ہے، جب اس نے یہ الفاظ سنے تو گھبرا کر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا، کہ اچانک اس کا چہرا دیوار سے رگڑ کھا کر زخمی ہو گیا، وہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا، اور سارا ماجرا سنایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے بندے اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کو اس گناہ کی سزا بہت جلد دے دیتا ہے، اور جب کسی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی سزا قیامت تک کے لیے مؤخر کر دیتا ہے، تا کہ اس کو جہنم کی آگ میں پھینکے۔''

www.islamfort.com





اس لیے اگر دنیا میں کوئی غم،کوئی پریشانی یا تکلیف آئے تو صبر کریں۔اوران غموں کو اپنے لیے رحمت سمجھیں۔

ساتواں علاج: موت کو یاد رکھنا

انسان جب اپنی موت کو ہر وقت یاد رکھتا ہے تو بہت سارے غموں اور پریشانیوں سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے،جس طرح صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''لذات کوختم کرنے والی یعنی موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا کرو''۔

جب انسان اس بات کو اپنے دل میں جگہ دے کہ موت کسی وقت بھی اس کے تمام منصوبوں کو درہم برہم کرسکتی ہے،تو بہت سی پریشانیاں اور غم اپنے آپ ختم ہو جاتے ہیں۔قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے کئی ایک مقامات پراس حضرت انسان کوموت کی یاددہانی کرائی ہے۔

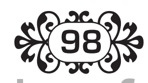
؎ آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں۔

آٹھواں علاج: اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا کرتے رہنا

غم ختم کرنے اور پریشانی دور کرنے کا ایک بہترین علاج دعا ہے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت دعا کرتا رہے کہ پروردگار اسے ہر غم ، پریشانی اور مصیبت سے بچائے رکھے۔ نبی کریم ﷺ جیسی ہستی بھی کثرت سے پریشانیوں،غموں اور مصیبتوں سے بچنے کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔

پیارے پیغمبر کے خادم انس رضی اللہ عنہ خبر دیتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا، جب کسی جگہ پر ٹھہرتے تو میں نے آپ ﷺ کو کثرت سے دعا کرتے ہوئے دیکھا، وہ دعا یہ تھی،«اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ»

''اے اللہ میں فکر، عاجزی اور سستی، بخیلی اور بزدلی،قرض داری کے بوجھ اور ظالموں کے غلبے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''



www.islamfort.com

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ [النمل:62]
''بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے''۔ اس لیے جب بھی انسان پر کوئی غم، دکھ، پریشانی نازل ہو تو وہ حقیقی خالق کے سامنے ہی اپنے ہاتھ پھلائے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾ [البقرہ:186]

''جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں اس لئے لوگوں کو بھی چاہیے وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی پریشانی ہوتی۔ تو آپ یہ دعا پڑھتے:

«يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ»

''اے زندہ رہنے والے اے سب کو تھامنے والے میں تیری رحمت کے ساتھ مدد مانگتا ہوں۔''

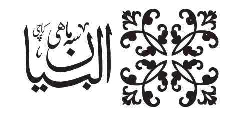
سیدہ آسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تجھے ایسے کلمات نہ بتاؤں، جو تو مصیبت اور پریشانی کے وقت کہا کرے۔ (أَللّٰهُ أَللّٰهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا)

''اللہ اللہ میرا پروردگار ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصیبت زدہ کے لیے ایک اور دعا بتائی ہے: «اللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ أَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ»

''اے اللہ میں تیری رحمت ہی کی امید رکھتا ہوں، بس تو آنکھ جھپکنے کے برابر بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کر اور میرے لیے میرے تمام کام درست کر دے، تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

www.islamfort.com

اس لیے ہمیں چاہیے کہ مشکل ہو یا آسانی ہو، ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہیں۔ آپ اندازہ لگائیں، انبیاء علیہ السلام پر بھی جب کوئی پریشانی یا غم یا تکلیف آئی تو انھوں نے بھی سب سے پہلے دعا کا سہارا لیا۔ ہم سب کے والد آدم علیہ السلام ایک نافرمانی سرزد ہو جانے کی وجہ سے پریشان ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ دعا سکھلائی ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (اعراف:23)

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے''۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا: ﴿اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ (القمر:10)

''میں (کافروں کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو میری مدد فرما''۔

سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ (انبیاء:89)

''اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو سب سے بہتر وارث ہے۔''

سیدنا ایوب علیہ السلام کی دعا: (وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ) [الانبیاء:83]

''ایوب (علیہ السلام) کی اس حالت کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا: ﴿رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ﴾ [القصص:16]

''اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا میری مغفرت فرما۔''

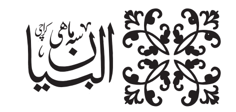
جیسا کہ پہلے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں حالانکہ اگلے پچھلے گناہ سب معاف ہیں پھر بھی ان کی زندگی کا کوئی بھی لمحہ ایسا نہیں کہ وہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے گھر میں داخل ہوتے نکلتے دعا کر رہے ہیں۔

چند ایک دعائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں۔

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»



www.islamfort.com

''اے اللہ میں تجھ سے طلب کرتا ہوں بخشش اور سلامتی دنیا اور آخرت میں''۔

ایک اور دعا: ''اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَيِّبًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا»

''اے اللہ میں تجھ سے طلب کرتا ہوں ایسا علم جو مفید ہے، پاک روزی اور ایسا عمل جو مقبول ہو''۔

ایک اور دعا: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتُّقَى وَالْعَفَافَ وَالْغِنَى»

اے اللہ میں تجھ سے طلب کرتا ہوں ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی اور استغفار۔

ان چار الفاظ پر غور کریں کہ جسے ہدایت مل جائے، جسے اللہ کی طرف سے رہنمائی حاصل ہو جائے اور جو اس کام سے بچ جائے، جو ہو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہو اور جو پاک دامن بھی ہو۔ غنی سے مراد اللہ نے اسے اتنا دیا ہو کہ اس کے بعد اسے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ ہو، اللہ اکبر کتنی عظیم دعا ہے۔

اگر ہم ان دعاؤں کو خود بھی یاد کریں اور گھر میں بیوی اور بچوں کو بھی یاد کرائیں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے گھروں سے بہت سارے غم، پریشانیاں اور دکھ ختم ہو جائیں گے۔ «لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللهِ تَعَالَى مِنْ الدُّعَاءِ»

فرمایا: ''اللہ کے ہاں دعا سے زیادہ عظمت والا کوئی عمل نہیں۔''

نواں علاج: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کی کثرت

دکھوں، غموں اور پریشانیوں کا ایک بہترین علاج نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود شریف کا اہتمام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بڑی اہم نیکی، گناہوں کی معافی کا سبب، درجات کی بلندی، غم و پریشانی سے نجات، دعا کی قبولیت کا وسیلہ ہے، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ میں آپ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں دعا میں آپ پر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتنا درود پڑھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو جتنا چاہے تیرے لیے بہتر ہے پھر تیرا یہ مجھ پر درود پڑھنا تیرے تمام غم دور کر دے گا، اور تیرے گناہ معاف ہو جائیں گے''۔



www.islamfort.com

دسواں علاج: نماز کا اہتمام کرنا

نماز مومن کی معراج، آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سکون اور غموں اور پریشانیوں کو ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں ایمان والوں سے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [البقرہ:153]

''اے ایمان والو صبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد چاہو، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی بھی پریشان ہوتے یا انھیں تکلیف دہ معاملہ سے واسطہ پڑتا تو آپ فوراً دو رکعت نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے اس تکلیف کو رفع کرنے کے لیے مدد طلب کرتے۔ تو اے غموں، پریشانیوں اور دکھوں میں مبتلا میرے بھائیو اور بہنوں، وضو کر کے دو رکعت پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ (اور پانچوں نمازوں کی پابندی کیا کریں)

گیارہواں علاج: اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا اقرار

پریشانیوں کو ختم کرنے کا ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ظاہری و باطنی نعمتوں پر غور کرنے اور ان کے بدلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی کوشش کرتا رہے، کیونکہ شکر ایسی دولت ہے جو انسان کو مزید نعمتوں کا وارث بناتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ [ابراہیم:7]

''اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بیشک میں تمہیں زیادہ دوں گا''۔

انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے، اتنی بے شمار نعمتیں جیسا کہ میں فرمایا:

﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا﴾ [النحل آیت 18]

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا بھی چاہو تو نہیں گن سکتے''۔

اگر انسان تھوڑا سا غور کرے کہ رب کائنات نے اسے کتنی نعمتیں دے رکھی ہیں اور بے شمار نعمتیں تو بن

www.islamfort.com

مانگے اللہ تعالیٰ بے حساب دے رہا ہے،تو بہت ساری تکالیف،غموں اور پریشانیوں سے چھٹکارمل جائے گا۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''اپنے سے کم تر کی طرف دیکھواور اپنے سے زیادہ (مالدار) کی طرف نہ دیکھوتا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تمہیں حقیر محسوس نہ ہوں۔

آج اگر ہم اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی ،دینی اور دنیاوی نعمتوں پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلے گا کہ پروردگار نے ہمیں خیر کثیر عطا کررکھی ہے اور بہت ساری تکالیف،غموں اور پریشانیوں سے نجات دے رکھی ہے۔

بارھواں علاج:صبر کرنا

پریشانیوں اور دکھوں کا بہترین اور بنیادی علاج صبر ہے۔﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾[البقرہ:153]

''اے ایمان والوصبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد چاہو،اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے،اس کے ہر کام میں اس کے لیے بھلائی ہے اور یہ مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے،کہ اگر اسے خوشی ملتی ہے،تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ شکر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے''۔(یعنی اس پر اجر ہے)اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے،تو یہ صبر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے یعنی صبر بھی خود ایک عمل اور باعث اجر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾[البقرۃ:155]

''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے،دشمن کے ڈر سے،بھوک پیاس سے،مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اوران صبر کرنے والوں کوخوشخبری دے دیجیے''۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:میراوہ مومن بندہ جس کی محبوب چیز میں واپس لے لوں،لیکن وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرے تو اس کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں ہے''۔

www.islamfort.com

بچے، بیوی، والدین یہ سب انسان کے لیے محبوب ترین چیزیں ہیں۔ان کی وفات پر اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر صبر کرنا جنت میں داخلے کا سبب ہے۔اور صبر بھی پہلے لمحات میں۔جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:«مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى»[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گذرے جو ایک قبر کے قریب رو رہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو! اور صبر کرو! صبر تو وہی کہلائے گا جو ابتداء مصیبت میں ہو''۔

سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''کہ مسلمان کو جو بھی تھکان، بیماری، فکر، غم اور تکلیف پہنچتی ہے حتی کہ کانٹا بھی چبھتا ہے، تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے''۔

اللہ اکبر دیکھیں ایک مومن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل کا خاص معاملہ ہے کہ دنیا میں غموں اور تکلیفوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا، بشرطیکہ مومن صبر کرے۔

شدت غم اور رنج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگتے، جو دعائے کرب کے نام سے مشہور ہے:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ»

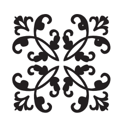
''نہیں ہے کوئی معبود برحق مگر اللہ وہ اکیلا ہے نہیں کوئی شریک اس کا، اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کے لیے ہر تعریف، اور وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے''۔

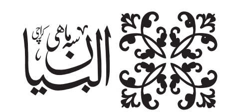
کسی مصیبت یا غم کی خبر سنتے ہی یہ دعا پڑھنی چاہیے:«إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَخْلَفَ اللهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا»

---

[1] صحيح البخاري:كتاب الجنائز،باب زيارة القبور

www.islamfort.com





''یقیناً ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یا اللہ مجھے میری مصیبت کے عوض بہتر اجر دے اور اس سے بہتر بدلہ عطا فرما''۔

جو آپ کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے وہ آپ کو پہنچ کر رہے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [التوبہ:51]

''ہرگز ہمیں نہیں پہنچے گا مگر وہ ہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے وہ ہی ہمارا کارساز ہے اور مومن اللہ ہی پر بھروسا رکھیں''۔

اور فرمایا: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ [الحدید:22]

''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق یعنی بنانے سے پچاس ہزار سال قبل ہی ساری تقدیریں لکھ دیں تھیں''۔

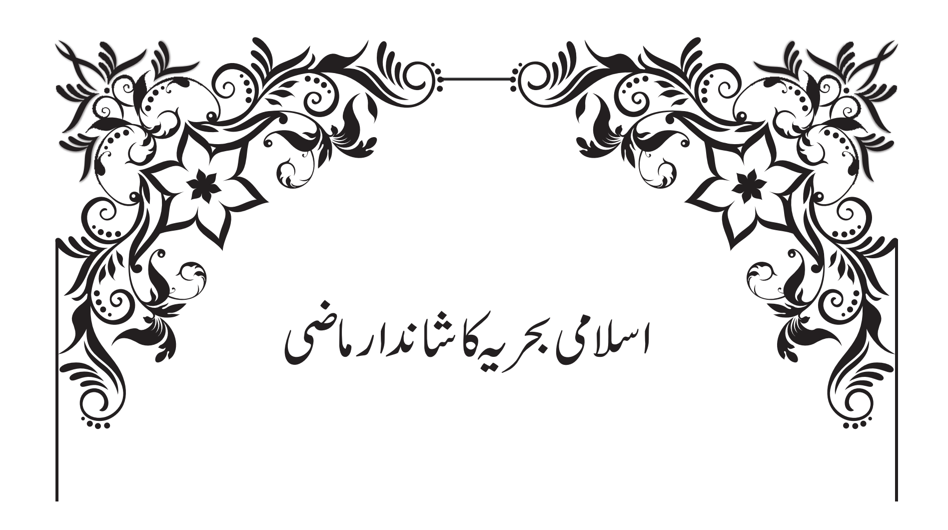
پھر کسی چیز کے جانے کا اتنا غم کیوں کہ اپنے آپ کو بیمار کر لیں یا خودکشی کریں۔

یہ چند ایک نسخے دکھوں، غموں اور پریشانیوں کے علاج کے تحریر کیے ہیں، جن کے نفاذ سے یقیناً انسان اپنی الجھی اور غمزدہ زندگی کو دوبارہ (حیاۃً طیبۃً) میں تبدیل کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں تاحیات اپنی ہدایت اور حفظ و امان میں رکھے۔

وصلّى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم



www.islamfort.com



اسلامی بحریہ کا شاندار ماضی

خلیق الرحمٰن قدر [1]

اسلام اللہ کا دین ہے، اس کی فطرت میں غلبہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث کیا تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے، تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ جہاں اللہ کی مخلوق موجود تھی، اللہ والے توحید و جہاد کا پیغام لے کے وہاں تک ضرور پہنچے ۔

دشت تو دشت رہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحر ظلمات میں ڈوڑا دیے گھوڑے ہم نے

اسلامی تاریخ میں مسلم بحریہ کی تاریخ ایک روشن باب ہے، اور مسلم بحری مجاہدین نے سمندروں میں ایسے حیرت انگیز کمالات دکھائے اور ایسی روشن مثالیں قائم کی ہیں جن کی آب و تاب صدیوں بعد بھی موجود ہے۔ اسلامی بحریہ کے استحکام کی بدولت ایک طویل عرصہ تک امت مسلمہ کی سمندروں پر کنٹرول قائم رہا، بحیرہ روم میں طویل عرصہ تک اسلامی پرچم لہراتا رہا۔ اسلامی بحریہ کے بانی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ تھے، ان دونوں اصحاب رسول نے سب سے پہلے وقت کی ضرورت کو محسوس کیا اور خلیفہ سیدنا عثمان بن عفان سے بار بار تقاضا کیا گیا اور جہاز سازی اور پھر سمندری راستے سے جہادی قافلے روانہ کرنے کی اجازت

---

[1] خطیب واستاد: سفید مسجد سولجر بازار کراچی، ایم اے انٹرنیشنل ریلیشن (جامعہ کراچی)



www.islamfort.com

طلب کی گئی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں مسلم بحریہ کو مضبوط تر بنایا۔

مسلمانوں نے درحقیقت قرآنی حکم کی پیروی میں خشکی اور سمندری حدود میں تسخیر کائنات کا بیڑہ اٹھایا تھا کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (الجاثیہ:12)

ترجمہ: ''وہ اللہ تو ہے جس نے سمندر کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں اور بحری جہاز اس میں چلیں اور تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اور شکر گزار بنو''۔

زمانہ قدیم میں چھوٹی کشتیوں اور چھوٹے جہازوں سے سمندری سفر کیا جاتا تھا لیکن سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ﴾ (الرحمٰن:24)

ترجمہ: ''اور اسی کے ہیں چلنے والے (جہاز) جو اونچے اٹھے ہوئے ہیں سمندر میں پہاڑوں کی مانند''۔ اس آیت میں ترقی یافتہ سمندر کے بحری بیڑوں کی طرف اشارہ تھا کہ ایک وقت آئے گا جب پہاڑوں کی مانند جہاز سمندروں میں رواں دواں ہوں گے''۔

اولین جہاز ساز

قرآن حکیم اور دیگر آسمانی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ معلوم انسانی تاریخ کا پہلا اسلامی جہاز سیدنا نوح علیہ السلام نے حکم خداوندی سے بنایا تھا۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا﴾ (ھود:37)

ترجمہ: ''اور ہماری آنکھوں کے سامنے اور وحی کے مطابق ایک بحری جہاز بنائیے''۔

یہ بحری جہاز کس طرح تعمیر ہوا اس کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰی ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ﴾ (القمر:13)

ترجمہ ''اور ہم نے اس (نوح) کو تختوں اور کیلوں سے بنی ہوئی چیز پر سوار کیا'' اور اس جہاز میں ہر چیز کا جوڑا سوار کیا گیا تھا۔

www.islamfort.com

اشاعت اسلامی کے ابتدائی دور

سمندری حدود کے ذریعے اسلام کی نشر و اشاعت بھی ہوتی تھی، اسلام کی پہلی ہجرت جو ہجرت حبشہ کے نام سے مشہور ہوئی، وہ سمندر کے ذریعے ہی عمل پذیر ہوئی تھی، صحابہ کرام کی سچائی اور توحید خالص کو دیکھ کر حبشہ کا بادشاہ نجاشی مسلمان ہوا تھا۔ نبی ﷺ نے ہجرت حبشہ کرنے والے مسلمانوں کو ''اصحاب الہجرتین'' کہا تھا، اسی طرح سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا سمندری واقعہ سنایا (صحیح مسلم: 2942) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سمندری سفر سے نا آشنا نہ تھے۔

اسلامی بحریہ کا آغاز

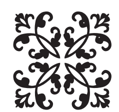
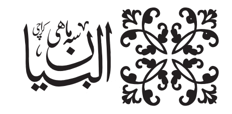
سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی حکومت کا دائرہ مصر و روم تک پہنچ چکا تھا، ان حالات میں مسلمانوں کا بحری قوت کے بارے میں سوچنا وقت کی ضرورت تھا، شام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر تھے، رومیوں سے آئے دن جہادی میدان سجتے تھے، مسلمانوں کے پاس بحری قوت نہ تھی، رومیوں کی فوجیں بحری بیڑے کے ذریعے ساحلی علاقوں میں حملہ آور ہوئے اور شدید نقصان پہنچاتے تھے، امیر معاویہ نے بار بار دربار خلافت سے سمندری فوجیں بنانے اور بحریہ مانگنے کی اجازت مانگی مگر حضرت عمر رضی اللہ انکار کرتے رہے۔ آخر کار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور اس شرط پر اجازت دی کہ کسی مسلمان کو مجبور نہ کیا جائے جو اپنی خوشی سے بحری جہاد میں جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔ [1]

اسی طرح امریکی مورخ فلپ لے ہٹی نے (History of arabs) میں لکھا ہے کہ ''عبداللہ بن ابی سرح'' نے مغرب اور جنوب میں اسلامی سلطنت کو وسعت دینے میں کامیابی حاصل کی۔ بلکہ ان کا عظیم کارنامہ ہے کہ وہ اسلامی بحریہ کے بانی تھے۔ ان کے رضاعی بھائی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی گورنر کی حیثیت سے ذمہ دار

---

[1] فتوح البلدان 1 / 227، تاریخ ابن خلدون 1 / 412

www.islamfort.com

ہیں، اسی طرح اسلام کے پہلے امیر البحریہ دونوں اصحاب ہیں۔(صفحہ 167)

سمندر کے ذریعے جہاد کرنا ہمیشہ سے مشکل ترین معاملہ رہا ہے۔اس لیے اجر وثواب کے معاملے میں بھی فضیلت حاصل ہونی چاہیئے۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

«المائد في البحر الذى يصيبه القئى له اجرشهيد،والغريق له اجر شهيدين»"سمندر میں سفر کرے اگر اس کا سر چکرائے اور وہ قے کرے تو اسے ایک شہید کا اجر ملے گا۔۔اگر وہ ڈوب کر جان دے تو اسے دو شہیدوں کے برابر اجر ملے گا۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندری مجاہدوں کا موجوں سے لڑنا اور صبر واستقامت اختیار کرنا واقعی عظمتوں والا جہاد ہے۔اسی لیے امیر المجاہدین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحری جہاد کرنے والوں کے لیے عظیم بشارتیں بھی دیں۔کبھی انہیں بحری جہازوں پر (خواب میں) دیکھ کر سمندری بادشاہوں کا لقب دیا، کبھی جنت کے واجب ہونے کا اعلان کیا اور کبھی اپنے عہد مبارک ہی میں قسطنطنیہ کی فتح کی بشارت عطا فرمائی۔اسی طرح فرمایا:

«من رابط في شيء من سواحل المسلمين ثلاثة أيام أجزأت عنه رباط سنة»

"جس شخص نے مسلمانوں کے لیے کسی ساحل سمندر پر تین دن خدمت سرانجام دی اس کے لیے اس خدمت کے بدلے میں (خشکی پر) ایک سال پہرہ دینے کے برابر ہے"[2]۔

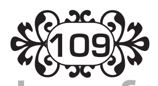
اسلامی بحریہ کی فتوحات کا آغاز

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ گورنر شام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آخر کار بحریہ کے ذریعے جہاد کی اجازت دے دی، مورخین کے مطابق آپ نے شرط لگائی کہ کسی کو بھی مجبور کر کے نہ لے جایا جائے، اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود جائیں اور اپنی زوجہ محترمہ کو بھی لے جائیں، اس حکم سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عثمان سمندری سفر کے خطرات سے مکمل آگاہ تھے، 28 ہجری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے

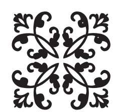
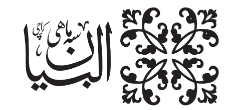
---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الجھاد:2493

[2] مسند احمد، 2/403۔صحیح الجامع الصغیر 6544



www.islamfort.com

قبرص(Cyprus) پرحملہ کیا۔اس سفر میں سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم کے ہمراہ شریک ہوئیں، ① علامہ ابن خلدون کے مطابق ''صحابہ کرام کا ایک گروہ قبرص پر حملے کے لیے راضی ہوگیا۔اولین بحری جہاد میں 'ابو ذر غفاری'ابوالدرداء'شداد بن اوس،عبادہ بن صامت اوران کی اہلیہ سیدہ ام حرام سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

اہل قبرص نے ہار مان کر 7 ہزار دینار سالانہ خرچ دینے پر مصالحت کرلی ۔ام حرام اسی سفر کے دوران شہید ہوئیں ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ہی پیشن گوئی فرما چکے تھے۔②

صحیح بخاری کے مطابق ''ام حرام فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ''میری امت کا پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے گا۔ان کے لیے جنت واجب ہوگی،سیدہ ام حرام نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول بتادیجیے میں ان بھی میں شامل ہوں،آپ نے فرمایا'' تم بھی ان لوگوں میں شامل ہو۔③

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں'' یہ سیدنا معاویہ کا لشکر تھا،ان کے لیے مغفرت اور رحمت،ان کے نیک اعمال کی بنا پر واجب ہے۔④

اسلامی بحریہ کا قیام کے بعد اس کے مزید استحکام پر خصوصی توجہ دی گئی اور مسلمانوں کا جہاز سازی کا شوق دن بدن بڑھتا چلا گیا۔روم کے عیسائی بحری بیڑے کی سمندروں میں اجارہ داری تھی،یہ بات معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدستور فکرمند رکھتی تھی،آپ نے مسلم بحریہ کو بہت تیز رفتاری سے ترقی دی،قبرص کے فتح کے بعد امیر معاویہ اور گورنر افریقہ عبداللہ بن سعد بن سرح رضی اللہ عنہ کے حوصلے بلند ہو گئے انہوں نے چند سالوں میں بحریہ کو اتنی ترقی دی کہ اسلامی سمندری قوت طاقتور رومی بحریہ کے برابر آ گئی۔31 ہجری میں جب قیصر

---

① البدایہ والنہایہ،8/984

② تاریخ ابن خلدون:۔1/412

③ بخاری،باب ماقیل فی قتال الروم 2924

④ ارشاد الساری۔5/104


www.islamfort.com

روم نے چھ سو بحری جہازوں کے ساتھ شام کے ساحل پر حملہ کیا تو مسلم امیر البحر نے رومی بحری بیڑے کو عبرت ناک شکست دی، اب بحیرہ روم مسلمانوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ [1]

بعد ازاں امریکی مورخ فلپ ہٹی لکھتا ہے ''حضرت عبداللہ بن سرح نے 652ء میں اپنے سے زیادہ طاقتور یونانی بحری بیڑے کو اسکندریہ کے قریب عبرت ناک شکست دی۔ [2]

652ء کو رومی بحریہ کو جس زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا اس کے بعد حقیقی طور مسلم افواج کی بحری قوت مستحکم ہوگئی۔ان کے دل اور دماغ سے رومن امپائر و دبدبہ ختم ہو کر رہ گیا۔34ھ بمطابق 655ء میں مسلم اور بازنطینوں (عیسائی) میں فیصلہ کن معرکہ پیش آیا۔اس معرکے کو بحری بیڑوں کی وجہ سے مستولوں کی جنگ (Batlle of Masts) کہا جاتا ہے۔مصری مصنف غان لکھتے ہیں ''عربوں نے قسطنطنیہ (Constantinolple) پر سب سے پہلا حملہ 34ھ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کیا، برّی فوج کو ایشیائے کوچک اور بحری بیڑے کو طرابلس سے روانگی کا حکم ملا شام کے گورنر امیر معاویہ سربراہ تھے۔بیس ہزار رومی مارے گیے، اسلامی فوج کو بھی کافی نقصان ہوا، بہر کیف پہلے حملے میں قسطنطنیہ فتح نہ ہوا۔(Decisive moments in the history of islam)

اس جنگ میں سمندر کا پانی خون کی وجہ سے سرخ ہو گیا تھا، مسلم بحری لشکر دو سو جہازوں پر مشتمل تھا۔جس نے عیسائی بحری افواج کی کمر توڑ کر رکھ دی۔

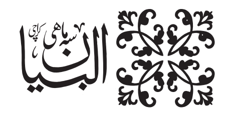
33ھ میں مسلمانوں نے صقلیہ پر پہلا حملہ کیا، صقلیہ کا جزیرہ اہمیت کا حامل تھا۔خلافت سے اجازت لے کر مسلم بحری بیڑے نے جو تین سو بحری جہازوں پر مشتمل تھا۔صقلیہ پر حملہ کیا، رومی فوج کو شکست دے

---

[1] الکامل فی التاریخ 3/45

[2] History of Arabs صفحہ:167

www.islamfort.com

کر مال غنیمت حاصل کیا اور راتوں رات صقلیہ کے ساحل کو خیر باد کہہ کر بحفاظت دمشق پہنچ گئے۔[1]

48 ہجری میں خلیفہ وقت امیر معاویہ رضی اللہ نے قیصر کے عظیم شہر قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیے بحری فوج روانہ کی، یہ وہی شہر تھا جس کے بارے میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:«أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم»[2]

''میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر چڑھائی کرے گا وہ بخش دیا گیا ہے''

اس شہر کو فتح کرنے کا جذبہ سیدنا معاویہ کے دل میں شروع ہی سے پروان چڑھ رہا تھا۔اسی لیے دوبارہ 48 ہجری میں بری اور بحری دو اطراف سے حملہ کیا گیا۔رومی افواج کی دفاعی حکمت عملی اور بہادری نے مسلمانوں کو حیران کر دیا، رومیوں کی دریافت کردہ (آتش یونانی) (جو گندھک تیل اور آتش گیر مادوں سے تر کر کے روئی رسیوں سے جلا دیئے، یہ مادہ جس چیز پر پڑتا وہ جل جاتی تھی۔۔۔الغرض مسلمانوں کے تمام حملے ناکام ہوئے۔اپریل سے ستمبر تک محاصرہ کر کے واپس آئے، اس جہاد میں تیس ہزار مسلمان مجاہدین شہید ہوئے، ان میں ابو ایوب انصاری بھی تھے۔جن کو قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کیا گیا۔ترکوں نے جب (1453ء میں یہ شہر فتح کیا تو ان کی قبر کا انکشاف ہوا) (صفحہ 33: Decisive momentin the history of islam)

اب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا دور دورہ تھا، انہوں نے دوبارہ صقلیہ (Sicily) پر حملہ کیا یہاں سے سونا چاندی کے بت بھی ملے جن کے سروں پر ہیرے کے تاج تھے، امیر البحر عبد اللہ بن قیس خلیفہ معاویہ کی خدمت میں بھیجے۔[3]

---

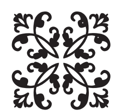
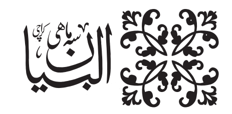
[1] فتوح شام ومصر:97

[2] صحیح البخاری:2924

[3] فتوح البلدان-1/219



www.islamfort.com

معاویہ رضی اللہ عنہ کی دور میں تینا میر البحر بڑے مشہور ہوئے (1) عبداللہ بن قیس (2) جنادہ بن امیر (3) معاویہ بن خدیج۔ الغرض سیدنا معاویہ کا دور بحری مہمات کے حوالے سے اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، سمندروں میں حکمرانی شروع ہوگئی تھی، ان کا نام ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔[1]

امیر معاویہ رضی کی رضی اللہ عنہ وفات کے وقت، بحیرہ روم اور ساحل مصر پر سولہ سو بحری جہازوں پر مشتمل بحریہ قائم تھی۔[2]

دورِ اموی کے کارنامے

رافضی قسم کے مورخین نے بنوامیہ کے دور حکومت کو ظلم اور تشدد سے تعبیر کیا ہے، یہی آج کل کے نام ونہاد مورخین کرتے ہیں، حالانکہ عبدالملک بن مروان اور دیگر خلفاء کے دور میں جو فتوحات حاصل ہوئیں وہ کبھی نہ ملی تھیں۔ عبدالما لک کے سپہ سالاروں موسیٰ بن نصیر کے کارنامے مسلم تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھے جائیں گے۔ موسیٰ بن نصیر نے آٹھ سال کے عرصے میں چار لاکھ کے قریب بربر قوم کو بااخلاق مہذب اور جہاز سازی کا ماہر بنادیا۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''موسیٰ بن نصیر نے تیونس کی ساحل پر جہاز سازی کی بڑی صنعت قائم کی۔ بحری کارخانے میں جہاز تیار ہوئے تو ان کو سمندر میں اتارنے کا مرحلہ پیش آیا۔ ایک مسلمان نے جس کی عمر 120 سال تھی۔ مشورہ دیا کہ سمندر کو کاٹ کر ان کارخانوں سے ملایا جائے۔ چنانچہ موسیٰ بن نصیر نے عملا یہ کام شروع کردیا۔

19 کلومیٹر طویل مسافت سے سمندر کو کاٹ کر جہازوں سے ملانا اور پھر جہازوں کو پانی کے سپرد کرنا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔[3]

---

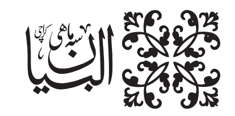
[1] الکامل فی التاریخ 3/421

[2] ڈاکٹر حمید اللہ، تاریخ الاسلام 279

[3] الإمامة والسياسة۔ 2/70



www.islamfort.com

''اندلس کی فوج کشی کے سلسلے میں 92 ہجری میں موسیٰ بن نصیر نے فوج روانہ کی اندلس (اسپین) دراصل نہایت سرسبز و شاداب اور دولت مند جزیرہ تھا، اندلس کے باشندوں نے زیادہ مقابلہ نہ کیا لیکن سونے چاندی کے زیورات اور ہیرے جواہرات کو باندھ کر سمندر کے حصے میں ڈبو دیا تاکہ یہ مسلمانوں کی دسترس میں نہ آئے، قدرت خداوندی سے ایک مسلمان کے نہاتے ہوئے پاؤں سے چاندی کا برتن ٹکرایا، پھر تلاش کیا تو سارا مال مل گیا۔[1] اسپین کی فتح کے بعد مغربی بحیرہ روم مسلمانوں کے لیے جھیل کی مانند ہو گیا۔ یہ یورپ کی تاریخ کا اہم ترین موڑ تھا یہ عہد وسطیٰ کا آغاز تھا۔

سلیمان بن عبدالملک کے دل میں دوبارہ قسطنطنیہ کو فتح کر لینے کی امید پیدا ہوئی، اب تک کی اسلامی تاریخ میں سب سے بڑا لشکر تیار ہوا، ایک لاکھ اسی ہزار کی تعداد میں بحری و بری افواج موجود تھیں، عربوں نے اس سے بڑا لشکر تیار نہ کیا تھا، اللہ کے فیصلوں کو کون پہنچ سکتا ہے۔۔۔؟

چنانچہ اس عظیم لشکر کا حال بھی پہلے حملوں سے مختلف نہ تھا، سمندری طوفان سے جہازوں کو نقصان پہنچا۔۔رومیوں نے بلند و بالا فیصلوں سے آتش یونانی سے حملہ کر دیا۔

عربوں کے پاس خوراک اور رسد کم ہو گئی۔ انہوں نے اپنے جانوروں کا گوشت بلکہ درختوں کی جڑیں اور پتے بھی کھا لیے۔[2]

ادھر سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا، عمر بن عبدالعزیز نے فوراً یہ پہلا فیصلہ کیا کہ مسلم افواج کو واپسی کا حکم دیا۔ اگر شہر فتح ہوتا تو کیا ہوتا؟ اس پر جرمن مورخ سونڈرس لکھتا ہے ''مسلم افواج کو شہر نہ فتح کرنے کا شدید صدمہ تھا اگر بحری مجاہدین قیصر کے شہر کو فتح کر لیتے تو بلقان اور یورپ فنا ہو جاتا۔ عرب مجاہدین دریائے ڈینوب (Danube) میں جہاز رانی کرتے۔ اور شاید عیسائیت ایک گمنام فرقے کی مانند جرمنی

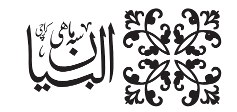
---

[1] الکامل فی التاریخ-4/216

[2] الکامل فی التاریخ-5/28


www.islamfort.com





کے جنگلات میں دیکھی جاتی۔ [1]

عہد عباسی اور بحری فتوحات

159 ہجری میں خلیفہ مہدی کے دور میں عربوں نے گجرات کے ساحل پر بحری حملہ کیا۔160 ہجری میں فوج گجرات کے ساحلی شہر بھڑوچ (انڈیا) پہنچ گئی۔

آگے کا حال ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں: ''163 ھجری میں مہدی نے خود رومیوں پر حملہ کیا۔ پھر اپنے بیٹے ہارون الرشید کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ قسطنطنیہ فتح کرنے روانہ کیا، اس مرتبہ رومیوں نے (90) ہزار دینار سالانہ خرچ دینے پر صلح کر لی، ادھر ہشام بن عمرو، منصور کے دور میں سندھ کا گورنر تھا، اس نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک بحری لشکر لے کر بھڑوچ پر حملہ کیا پھر شمال میں کشمیر اور ملتان کا علاقہ فتح کیا۔ [2]

اسلامی بحریہ اور اندلس کی فتوحات

اندلس کا پہلے ذکر کیا گیا ہے، اندلس کو اسپین اور ہسپانیہ بھی کہا جاتا ہے جب افریقہ مراکش پر مسلمانوں نے اپنا دائرہ کار مستحکم کر لیا تو تمام خطرات کی خاتمے، سرحدوں کے حفاظت اور جذبہ جہاد اور اشاعتِ اسلام کے لیے اسپین فتح کرنا بہت ضروری تھا، بعض مؤرخین نے ایک افسانہ مشہور کر دیا ہے کہ عیسائی بادشاہ راڈرک نے اپنے ایک درباری کاونٹ جولین کی بیٹی کو ہوس کا نشانہ بنایا تو اس نے جذبہ انتقام کے پیش نظر طنجہ کے گورنر طارق بن زیاد کو دعوت دی کہ وہ اسپین پر حملہ کر دے۔ [3]

موسیٰ بن نصیر نے اپنے نوجوان بہادر بربر طارق بن زیاد کو آگے بڑھایا تو اس نے 92 ہجری 711ء کو بڑی کامیابی سے اپنی فوج کو ہسپانیہ کے ساحل پر اتارا یہ سات ہزار مجاہدین اسلام جذبہ جہاد سے سرشار تھے، جس پہاڑی پر پڑاؤ کیا وہ فوجی اعتبار سے اہم تھی، آج اسی پہاڑ کو جبل طارق سے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یورپین اقوام

---

[1] A History of medieval islam p:91

[2] فتوح البلدان-1/630

[3] اردو دائرہ معارف906



www.islamfort.com

اسے (جبرالٹر) کہتے ہیں طارق بن زیاد نے اپنے جنگی بیڑے کو فوج کے سامنے ہی جلا دیا تا کہ یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ غیر ملکی زمین پر دو ہی راستے ہیں فتح یا موت۔

آگے کا احوال کتب تاریخ میں موجود ہے۔اس دن کے آٹھ سو سال بعد عالم اسلام کا چراغ یورپ کے وسط میں اپنی کرنیں پھیلاتا رہا۔ یورپ کی ترقی ،سائنس کا فروغ، کھانے پینے کے آداب سب کچھ مسلم اسپین کے باشعور اور ذہین لوگوں کے مرہون منت ہے،مقصدِ ذکر صرف اتنا ہی ہے کہ مسلم بحریہ کا یہ ایک کارنامہ نہیں بلکہ سندھ کے بت پرست لوگوں میں جو توحید کے چراغ جلتے نظر آئے ہیں اس میں بھی محمد بن قاسم کی آمد روفت کا ذریعہ ٹھٹھہ کا ساحل تھا۔ایران سے مکران کے راستے دونوں کے ذریعے اسلامی بری اور بحری افواج نے سندھ فتح کیا۔علامہ اقبال طارق بن زیاد کے کارناموں کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

؎ خندید و دستِ خویش بہ شمشیر بردو گفت

ہر ملک ملک ماست کہ ملکِ خدائے ماست

یعنی جب طارق کو اعتراض سننا پڑا کہ تم نے کشتیاں جلا کر خلاف شریعت کام کیا ہے کیونکہ اسباب کو ترک کرنا تو غلط کام ہے تو انہوں نے مسکرا کر کہا ''ہر ملک ہمارا ملک ہے کیونکہ ہمارے رب ذوالجلال کا ملک ہے اور اللہ کی سرزمین پر توحید کا نعرہ بلند کرنا ہمارا فرض منصبی ہے''۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن الداخل نے اسلامی بحریہ کو بہت ترقی دی فرانس اور یورپین اقوام کو صدیوں تک ناکوں چنے چبواتے رہے۔ بعد ازاں عبدالرحمٰن الناصر نے 50 سال کے دور حکومت میں کیا کارنامہ انجام دیا اس کا حال ابن خلدون نے لکھا کہ ''پچاس سالہ دور حکومت میں الناصر نے اسلامی بحریہ کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ شاہ فرانس شاہ روم اور شاہ جرمنی اپنی نجات اسی میں سمجھتے تھے کہ اس سے دوستی رکھیں اور اسپین کی بحری یلغاروں سے محفوظ رہیں۔[1]

---

[1] تاریخ ابن خلدون 4/ 142

www.islamfort.com

اپنے لوگوں کے علاوہ غیروں نے اعتراف کیا اور جان ولیم لکھتے ہیں ''لندن اور پیرس جیسے مغربی شہروں میں اس دور کے سات سو سال بعد تک رات بازاروں میں ایک لالٹین تک نہیں جلتی تھی۔ اگر کوئی شخص بارش کے دن اپنے گھر کے دروازے سے قدم نکالتا تو پاؤں کیچڑ میں دھنس جاتے تھے۔ اور ادھر مسلم اسپین میں دس دس میل لمبے بازاروں میں مصنوعی روشنی میں بڑے آرام سے لوگ رات کو چلتے تھے۔ [1]

اسی دور میں بنو اغلب کے دور حکومت میں مسلم بحریہ کا دبدبہ اور رعب بہت بڑھ گیا، مؤرخ لین پول لکھتے ہیں ''اغلبی حکمران ساحل افریقہ پر پوری شان و شوکت رکھتے تھے۔ ان کے بحری بیڑے کی بنا پر اٹلی، فرانس اور سسلی کے ساحلوں پر قابض ہو گئے تھے۔ جزیرہ سسلی تو بڑے عرصے تک قبضے میں رہا، اغلبی حکمرانوں کا دور بحیرہ روم۔ پر مسلمانوں کی کامیابی کا عظیم دور تھا۔ [2]

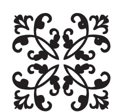
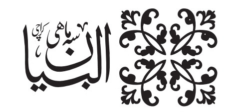
بنو اغلب نے (قیروان) شہر کو دار الحکومت بنایا تھا جس کو جناب عقبہ بن نافع جیسے مشہور سپہ سالار نے آباد کیا تھا۔ اس کا حال جنرل گلب نے لکھا ہے ''قیروان مذہبی علوم و فنون میں ایسا ہی مشہور تھا جیسے قرطبہ اور بغداد، بحیرہ روم کی طرف سے بحری حملے کے خطرے کی وجہ سے ساحلوں پر دفاعی قلعے تھے۔ جدید اور بر وقت اطلاعاتی نظام تھا، ساحلوں پر مختلف مینارے (Tower) تھے۔ جس پر آگ جلا کر ساحلی محافظوں کو خبر دار کیا جاتا تھا۔ [3]

تیسری صدی میں مسلم بحریہ نے کریٹ مالٹا، جنوبی اٹلی اور فرانس کے مختلف علاقے فتح کیے، پاپائے روم پر ہیبت اتنی تھی کہ وہ خراج دے کر حفاظت مانگتا تھا۔ بنو اغلب کے حکمران زیادۃ اللہ نے یورپین جزیرے سسلی کو فتح کرنے کے لیے اپنے قاضی اسد بن فرات کو بھیجنا چاہا تو انہوں نے فوج کی قیادت ناپسند کی اور کہا میں دینی اور علمی منصب پر ہوں مجھے اس منصب سے ہٹا کر فوج کا منصب کیوں دے رہے ہو۔ حاکمِ وقت زیادۃ اللہ نے فرمایا'' آپ قاضی القضاۃ بھی رہیں گے اور امیر لشکر بھی۔ حکم دیا کہ'' آئندہ قاضی اسد کو عہدہ امارتِ فوج اور عہدہ قضا دونوں دیے جائیں۔ آخر کار بوڑھے قاضی اسد بن فرات جو جوانوں جیسا جوشِ دین رکھتے تھے انہوں نے سو جنگی جہازوں پر مشتمل بیڑے سے صقلیہ (جزیزہ سسلی) پر حملہ کیا، تین دن تک پر جوش لڑائی کے بعد قاضی اسد نے شہر پر اسلامی جھنڈا قلعے پر لہرایا۔ یوں اٹلی

[1] A History of intellecual development of europ.p:31/2

[2] The Mohammaden Dynasties-p136
[3] The impire of the arabs:p:337

www.islamfort.com

کے قریب سسلی پر اسلامی حکومت کی داغ بیل پڑی۔ مسلمانوں نے یورپ پر جو احسانات کیے ان میں مسلم بحری افواج کا بڑا ہاتھ تھا۔ شیخ عنایت اللہ نے لکھا ”عربوں کی بیدار مغزی عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک، اور اعلیٰ اسلامی اصولوں کی وجہ سے یورپ میں زراعت، فلاحت تجارت، صنعت اور الغرض ہر شعبے میں ترقی ہوئی۔ زمینوں کو عربوں نے آباد کیا، اخروٹ بادام اور صنوبر، چلغوزہ کے درخت لگائے، دریاؤں سے آب رسانی کے نئے انداز سکھائے گئے، زیتون اور روئی اگائی نے اہل ملک کو خوشحال بنایا۔ (1)

انگریز مؤرخ جان گلب نے اعتراف کیا کہ یورپ میں روشنی اور تہذیب وتمدن کو پہنچانے میں عربوں کا بڑا ہاتھ تھا، عرب حکمرانوں کے ہاتھوں سسلی اور جنوبی اٹلی کی فتح اور یلغار گو عیسائیت کے لیے تکلیف اور دکھ کا باعث بنی، لیکن یورپ میں عربوں کی تہذیب پھیلنے کا ذریعہ بھی بنی۔

سلطنت عثمانیہ اور مسلم بحریہ

جب خلافت کا عظیم منصب ترکوں نے سنبھالا تھا، تو اگلے آٹھ سو سالوں تک کمزوریوں خامیوں کے باوجود یہ فرض نبھاتے رہے۔ نامور ترک حکمران سلطان مراد (اول) نے یورپ کی متحدہ فوج کو زبردست شکست دے کر بلغاریہ، یونان، بلقان پر اپنا تسلط قائم کیا۔ آج کے بوسنیا، بلغاریہ میں کچھ کچھ مسلم اقوام کی موجودگی دراصل اسی دور کی نشانی ہے، صرف تیس سالوں میں سلطنت کو پانچ گنا بڑا کیا۔ یورپ کی تمام اقوام سلطان کو خراج دیتی تھیں۔ (2)

سلطان محمد الفاتح کے دور میں ترکی مسلم بحری افواج کی عظیم کامیابی ملی۔ سلطان محمد الفاتح نے 1453ء کو بحری جہازوں کو خشکی پر دھکیل کر سمندر میں ڈالا اور عظیم تاریخی فتح حاصل کرتے ہوئے قسطنطنیہ کو مسلمانوں کے زیر نگوں کیا۔ میرے خیال میں اس عظیم فتح کے لیے الگ سے جداگانہ مضمون ضروری ہے، چند سطور میں اس فتح کا احوال ناممکن ہے۔ اس دورِ عثمانی کے بعد مسلم حکومتوں کا زوال کا دور تھا جس سے بری بحری افواج اور علمی وسائنسی عروج کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ مضمون اسلامی بحریہ کا احاطہ تو نہیں کرتا مگر شاندار عروج کی ہلکی سی جھلک ضرور دکھاتا ہے۔

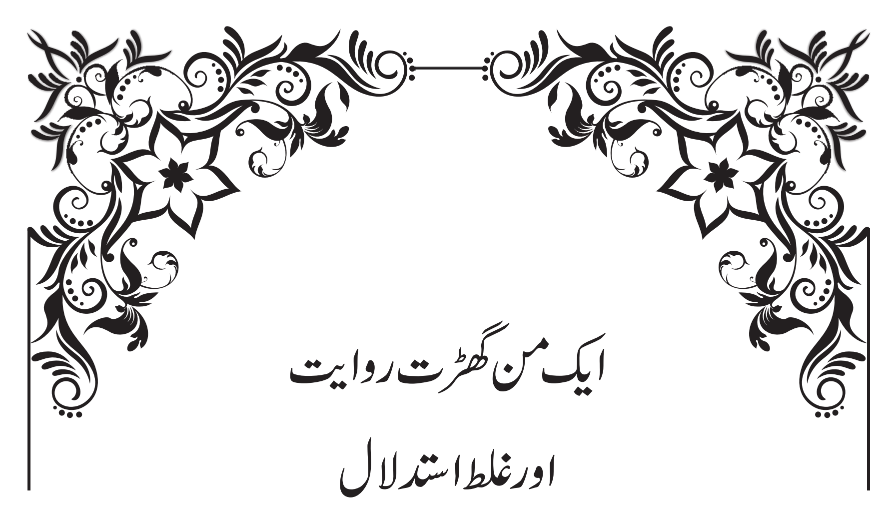
---

(1) مسلمانوں کی حکومت صقلیہ میں۔ 18-19

(2) دولت عثمانیہ: 1/ 39



www.islamfort.com



ایک من گھڑت روایت اور غلط استدلال

حافظ محمد یونس اثری [1]

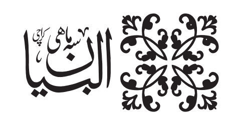
کچھ ایام قبل ایک دوست کی طرف سے ایک ویڈیو موصول ہوئی جو کہ پیر محمد ثاقب اقبال شامی سے علی ہجویری کے عرس کے موقع پر اجتماع سے کیئے گئے خطاب کے ایک حصے پر مشتمل تھی۔ جس میں شامی صاحب حلیۃ الاولیاء اور ابن عساکر کے حوالے سے ایک روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''یہاں کی یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس نے سوال کیا کہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ولی اولاد دیتا ہے، ولی بیٹے دیتے ہیں، یہ کہنا جائز ہے کہ نہیں؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی مخلوق میں تین سو لوگ ایسے ہیں جن کے دل آدم علیہ السلام کے دل کے موافقت رکھتے ہیں۔ اللہ کی مخلوق میں چالیس اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کے دل (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے موافق ہیں۔ سات اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل سے موافقت رکھتے ہیں۔ ہمیشہ پانچ اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کے دل جبریل علیہ السلام کے دل سے موافقت رکھتے ہیں اور تین اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کے دل حضرت میکائیل کے دل کے موافق ہوتے ہیں اور ایک ولی ہمیشہ ایسا ہوتا ہے جس کا دل حضرت اسرافیل علیہ السلام کے موافق ہوتا ہے۔ جب ایک کا انتقال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ تین میں سے اس کا متبادل لاتا ہے اور جب تین میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پانچ میں سے اس کا متبادل لاتا ہے۔ اور جب پانچ میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو سات میں سے متبادل لاتا ہے

[1] ریسرچ اسکالر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی



www.islamfort.com





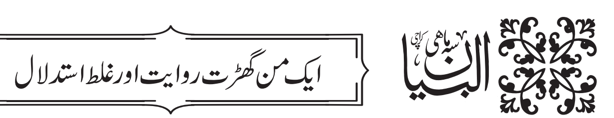
اور جب سات میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ وہ چالیس اولیاء جن کا دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے موافق ہے ان میں سے متبادل لاتا ہے اور جب چالیس میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تین سو میں سے اس کا متبادل لاتا ہے اور جب ان تین سو میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ عام مؤمنین میں سے اس کا بدل لاتا ہے۔ فرمایا یہی وہ اولیاء ہیں جن کی وجہ سے جن کے صدقے اللہ زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی دیتا ہے یہی وہ اللہ کے پیارے ہیں جن کی وجہ سے اللہ فصلیں اگاتا ہے یہی وہ اللہ کے پیارے ہیں جن کی وجہ سے اللہ مصیبتیں ٹالتا ہے یہی وہ اللہ کے پیارے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برساتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا اے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ یہ بتائیں کہ اللہ ان کی وجہ سے زندگی کیسے دیتا ہے؟ کہا: یہ امتوں میں کثرت کی دعائیں کرتے ہیں ان کی دعاؤں کی لاج رکھتے ہوئے اللہ لوگوں کو بیٹے بھی دیتا ہے بیٹیاں بھی دیتا ہے۔ تم کہتے ہو داتا علی ہجویری کی برکت سے اللہ نے مجھے بیٹا دیا اللہ نے مجھے بیٹی دی یہ لاہوریوں کا عقیدہ نہیں یہ بریلی کا عقیدہ نہیں یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان بھی۔۔ کہ یہ امتوں میں کثرت سے دعائیں کرتے ہیں اللہ ان کی دعاؤں کی لاج رکھتے ہوئے بیٹے بھی دیتا ہے بیٹیاں بھی دیتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا یہ بتایئے کہ موت کیسے واقع ہوتی ہے فرمایا جب ظالموں اور جابروں کا ظلم اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے یہ دعائیں کرتے ہیں ان کی دعاؤں کی وجہ سے اللہ ایسے ظالموں کے ہلاک کر دیتا ہے، کہا فصلیں کیسے اگاتا ہے؟ فصلیں بھی ان کی دعاؤں کے صدقے اگتی ہیں۔ بارش کیسے اگاتا ہے کہا یہ بارش بھی ان کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ نتیجہ ہے۔ اللہ کے ولیوں کی قوت کا عالم یہ ہے ان کے صدقے ہمیں زندگی ملتی ہے، ان کی وجہ سے ہمارے دشمنوں کی موت واقع ہوتی ہے۔ تیرے میرے گھروں میں اولاد کا پیدا ہونا انہی ولیوں کا صدقہ ہے۔'' پھر اس کے بعد خطیبانہ انداز میں دنیا کی ہر شئے کو ولیوں کا صدقہ قرار دے دیا۔

مذکورہ بالا من گھڑت روایت اور اس کا جواب

شامی صاحب کی پوری گفتگو اور بیان کردہ روایت اور اس سے استدلال کو قارئین نے ملاحظہ کیا۔ ہم سب سے پہلے اس روایت کو پوری سند و متن کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔



www.islamfort.com





«حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ الْحَسَنِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ السَّرِيِّ الْقَنْطَرِيُّ، حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ قَيْسٍ السَّامِرِيُّ،حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ يَحْيَى الْأَرْمَنِيُّ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَارَةَ، حَدَّثَنَا الْمُعَافَى بْنُ عِمْرَانَ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ مَنْصُورٍ،عَنْ إِبْرَاهِيمَ،عَنِ الْأَسْوَدِ،عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :»إِنَّ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْخَلْقِ ثَلَاثَمِائَةٍ قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ،وَلِلّٰهِ تَعَالَى فِي الْخَلْقِ أَرْبَعُونَ قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ،وَلِلّٰهِ تَعَالَى فِي الْخَلْقِ سَبْعَةٌ قُلُوبُهمْ عَلَى قَلْبِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ،وَلِلّٰهِ تَعَالَى فِي الْخَلْقِ خَمْسَةٌ قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ،وَلِلّٰهِ تَعَالَى فِي الْخَلْقِ ثَلَاثَةٌ قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ مِيكَائِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ،وَلِلّٰهِ تَعَالَى فِي الْخَلْقِ وَاحِدٌ قَلْبُهُ عَلَى قَلْبِ إِسْرَافِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ،فَإِذَا مَاتَ الْوَاحِدُ أَبْدَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَكَانَهُ مِنَ الثَّلَاثَةِ،وَإِذَا مَاتَ مِنَ الثَّلَاثَةِ أَبْدَلَ اللّٰهُ تَعَالَى مَكَانَهُ مِنَ الْخَمْسَةِ،وَإِذَا مَاتَ مِنَ الْخَمْسَةِ أَبْدَلَ اللّٰهُ تَعَالَى مَكَانَهُ مِنَ السَّبْعَةِ،وَإِذَا مَاتَ مِنَ السَّبْعَةِ أَبْدَلَ اللّٰهُ تَعَالَى مَكَانَهُ مِنَ الْأَرْبَعِينَ،وَإِذَا مَاتَ مِنَ الْأَرْبَعِينَ أَبْدَلَ اللّٰهُ تَعَالَى مَكَانَهُ مِنَ الثَّلَاثِمِائَةِ،وَإِذَامَاتَ مِنَ الثَّلَاثِمِائَةِ أَبْدَلَ اللّٰهُ تَعَالَى مَكَانَهُ مِنَ الْعَامَّةِ.فَبِهِمْ يُحْيِي وَيُمِيتُ،وَيُمْطِرُ وَيُنْبِتُ،وَيَدْفَعُ الْبَلَاءَ«قِيلَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ :كَيْفَ بِهِمْ يُحْيِي وَيُمِيتُ؟قَالَ :لِأَنَّهُمْ يَسْأَلُونَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ إِكْثَارَالْأُمَمِ فَيَكْثُرُونَ،وَيَدْعُونَ عَلَى الْجَبَابِرَةِ فَيُقْصَمُونَ،وَيَسْتَسْقَوْنَ فَيُسْقَوْنَ،وَيَسْأَلُونَ فَتُنْبِتُ لَهُمُ الْأَرْضُ،وَيَدْعُونَ فَيَدْفَعُ بِهِمْ أَنْوَاعَ الْبَلَاءِ»[1]

مذکورہ روایت کے ترجمے کے لئے گذشتہ صفحہ ملاحظہ فرمائیں۔

مذکورہ روایت کی اسنادی حیثیت

جہاں تک اس روایت کی سند کا تعلق ہے تو عرض یہ ہے کہ سند کے لحاظ سے یہ روایت موضوع (من

[1] حلیۃ الاولیاء:9/1،ابن عساکر:303/1



www.islamfort.com

گھڑت) کے درجے پر ہے اس کی سند میں دو راوی مجہول ہیں عبدالرحیم الارمنی اور عثمان بن عمارہ۔ کئی ایک اہل علم اس روایت کو موضوع قرار دے چکے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

1 حافظ ذہبی رحمہ اللہ

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں عثمان بن عمارہ کے ترجمے میں اس روایت کو موضوع من گھڑت قرار دیتے ہوئے فرمایا: «وهو كذب، فقاتل الله من وضع هذا الإفك»[1] یعنی یہ جھوٹی روایت ہے اللہ اسے ہلاک کرے جس نے یہ روایت گھڑی۔ مزید اس روایت کو تلخیص کتاب الموضوعات میں لائے اور فرمایا: «رَوَاهُ أَبُو نعيم فِي" الْحِلْية " ثَنَا مُحَمَّد بن أَحْمد بن الْحسن، ثَنَا مُحَمَّد بن السّري الْقَنْطَرِي ضَعِيف عَن قيس بن إِبْرَاهِيم السامري، عَن عبد الرَّحِيم بن يحيى عَن عُثْمَان بن عمَارَة وَهَذِه ظلمات بَعْضهَا فَوق بعض الْوَضع من أحدهم»[2]

یعنی ابونعیم نے حلیہ میں بیان کیا ہے کہ محمد بن احمد بن حسن بیان کرتے ہیں کہ مجھے محمد بن السری القنطری (ضعیف) نے بیان کیا وہ قیس بن ابراہیم السامری سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبدالرحیم بن یحیٰی سے وہ عثمان بن عمارہ سے اور یہ (عبدالرحیم بن یحیٰی اور عثمان بن عمارہ) ظلم پر ظلم ہیں اور ان میں سے کسی ایک نے ہی یہ حدیث گھڑی ہے۔ اور المغنی فی الضعفاء میں عثمان بن عمارۃ کے ترجمہ میں اس روایت کی طرف اشارہ بھی کیا اور عثمان بن عمارہ کے بارے میں کہا کہ یہ کذاب ہے۔[3]

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیز ان میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے کلام کو برقرار رکھا بلکہ استدراک کرتے

---

[1] میزان الاعتدال: 5549

[2] تلخیص الموضوعات: 841، ص: 307/1

[3] المغنی فی الضعفاء: 4049


www.islamfort.com

ہوئے فرمایا:«وسبق في ترجمة عبد الرحيم قوله :أتهمه به أوعثمان»[1] یعنی عبدالرحیم کے ترجمہ میں حافظ ذہبی کا یہ کلام گزر چکا ہے کہ یہ روایت عبدالرحیم یا عثمان نے گڑھی۔

3 علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے باب عدد الاولیاء میں مذکورہ روایت اور اس مفہوم کی دیگر روایات کو ذکر کیا اور پھر ہر ایک پر کلام کیا اس روایت پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:«أما حَدِيث ابْن مَسْعُود فكثيرمن رِجَاله مجَاهِيل لَيْسَ فيهم مَعْرُوف»[2] یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کئی مجہول راوی ہیں جن میں سے کوئی بھی معروف نہیں۔

4 شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے گوکہ عقیدہ واسطیہ میں ابدال کا لفظ استعمال فرمایا لیکن وہ اس تعلق سے تمام ضعیف و من گھڑت احادیث کی بھی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

«وكذا كل حديث يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم في عدة الأولياء،والأبدال،والنقباء، والنجباء،والأوتاد، والأ قطاب ، مثل أربعة،أوسبعة،أواثني عشر ،أو أر بعين،أوسبعين،أو ثلاثمائة،أوثلاثمائة وثلاثة عشر،أوالقطب الواحد،فليس في ذلك شيء صحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم،ولم ينطق السلف بشيء من هذه الألفاظ إلا بلفظ الأبدال» [3]

یعنی : اسی طرح اولیاء کی تعداد ابدال نقباء، نجباء اوتاد اقطاب مثلاً چار یا سات یا بارہ، یا چالیس،

---

[1] لسان المیزان:349

[2] الموضوعات لابن الجوزی : كتاب الزهد ، باب عدد الأولياء،152/3

[3] الفرقان بين أولياء الرحمن و أولياء الشيطان :صفحہ نمبر17

www.islamfort.com

یا ستر، یا تین سو یا تین سو تیرا، یا ایک قطب۔[1] اس باب میں نبی ﷺ سے کوئی روایت صحیح ثابت نہیں اور سلف نے اس طرح کے کسی لفظ کا استعمال نہیں کیا سوائے ابدال کے۔

تنبیہ:

سلف میں سے اگر کسی نے ابدال کا لفظ استعمال کیا بھی ہے تو اس سے ان کی مراد عام محدثین وغیرہ ہی ہوتے تھے دور حاضر میں ابدال سے متعلقہ تصورات کا قطعاً کوئی معتقد نہیں تھا۔ جیسا کہ خود اسی کتاب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مختلف پہاڑوں سے متعلقہ عوام کا اعتقاد کہ وہاں رجال الغیب رہتے ہیں یا ان میں سے ہر پہاڑ میں چالیس ابدال رہتے ہیں، شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ان خرافات کا رد کرتے ہوئے فرمایا وہ رجال الغیب یا ابدال نہیں بلکہ جنات ہیں۔ جنہیں لوگ ابدال یا رجال الغیب سمجھ بیٹھے ہیں۔[2] مزید اس حوالے سے مجموع الفتاوی میں جلد نمبر 11 صفحہ 433 تا 444 تک شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی اس حوالے سے تفصیلی بحث موجود ہے۔

---

[1] یہ صوفیاء کی اصطلاحات ہیں، صوفیاء یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس عالم کون ومکان میں ہر وقت تین سو تیرہ اشخاص ایسے رہتے ہیں جو نجباء کے نام سے مشہور ہوتے ہیں۔ پھر ان میں سے ستر کو نقباء کہا جاتا ہے۔ پھر ان میں سے چالیس ابدال کے درجے پر پہنچتے ہیں۔ ان میں سے سات کو قطب کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ان میں سے چار اوتار کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں اور اُن میں سے ایک غوث کا اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ مکہ مکرمہ میں رہتا ہے۔ جب اہل زمین پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے یا رزق کی تنگی ہوتی ہے یا کسی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ ان تین سو تیرہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں۔ یہ ان فریادوں اور حاجتوں کو اپنے میں سے منتخب شدہ ستر نقباء کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ ستر ان حاجات کو اپنے سے بلند مرتبہ چالیس ابدال کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پھر یہ چالیس اپنے سے سات منتخب قطبوں کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے ہیں اور یہ سات اپنے سے بلند مرتبہ چار اشخاص کی جنہیں اوتار کہا جاتا ہے خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ پھر یہ چاروں اپنے سے منتخب ہستی کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں اس کا نام غوث ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ مکہ معظّمہ میں رہتا ہے اور تمام دنیا میں ایک غوث ہوتا ہے۔ بیک وقت دو غوث نہیں ہو سکتے۔ اس کا علم اللہ کے علم کے برابر ہوتا ہے اور اس کی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کم نہیں ہوتی۔ (والعیاذ باللہ) (ماخوذ از ماہنامہ محدث)

[2] الفرقان بين أولياء الرحمن وأولياء الشيطان: ص181

www.islamfort.com

5 امام ابن القیم رحمہ اللہ

المنار المنیف میں فرماتے ہیں:«ومن ذلك أحاديث الأبدال والأقطاب والأغواث والنقباء والنجباء والأوتاد كلها باطلة على رسول الله صلى الله عليه وسلم»

یعنی: ''ابدال، اقطاب نقباء، نجباء اوتاد سے متعلقہ تمام احادیث باطل ہیں''۔[1]

6 محمد طاہر بن علی الصدیقی الھندی الفتنی رحمہ اللہ

تذکرۃ الموضوعات میں اس روایت کو لائے اور فرمایا:«فِيهِ مجَاهِيل»[2] یعنی اس میں مجہول راوی ہیں۔

7 نورالدین علی بن محمد الکنانی رحمہ اللہ

تنزیہ الشریعۃ میں عبدالرحیم بن یحییٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:«عبد الرَّحِيم بن يحيى الأدمِيّ عَن عُثْمَان بن عمَارَة بِحَدِيث كذب فِي الأبدال قَالَ الذَّهَبِيّ أَتَّهمهُ بِهِ أَو عُثْمَان»[3]

یعنی عبدالرحیم بن یحی عثمان بن عمارۃ سے ایک جھوٹی حدیث بیان کرتا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ عبدالرحیم یا عثمان نے اسے گھڑا ہے۔

8 علامہ حلبی رحمہ اللہ

نے «كشف الحثيث عمن رمي فی وضع الحديث» میں عبدالرحیم بن یحی اور عثمان بن عمارہ کا تذکرہ کیا اور دونوں پر حافظ ذہبی کی جرح نقل کرتے ہوئے اس موضوع روایت کا بھی اشارۃً تذکرہ کیا۔

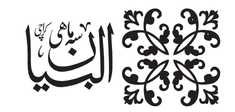
---

[1] المنار المنیف: صفحہ نمبر 136

[2] تذکرۃ الموضوعات: 194/1

[3] تنزیہ الشریعۃ: 79/1

www.islamfort.com

9 علامہ البانی رحمہ اللہ

اس روایت کو «السلسلة الضعيفة» میں لائے اور اسے من گھڑت قرار دیا۔ [1]

10 علامہ شعیب الارناؤط رحمہ اللہ

مسند احمد کی تخریج وتحقیق کرتے ہوئے حدیث علی رضی اللہ عنہ پر حاشیہ لگاتے ہیں:

«وأحاديث الأبدال التي رويت عن غير واحد من الصحابة، أسانيدها كلها ضعيفة» [2]

یعنی: ''ابدال کے بارے میں کئی ایک صحابہ سے مروی تمام احادیث سنداً ضعیف ہیں۔''

«تلك عشرة كاملة» ان دس اہل علم کے کلام سے واضح ہوگیا کہ مذکورہ حدیث جسے بڑے مزے لے لے کر شامی صاحب نے بیان کیا اور اس باب میں مروی دیگر احادیث کی اسنادی حیثیت کیا ہے؟

روایت کی فنی حیثیت

فنی طور پر اس روایت کے متن کی طرف التفات کرنے پر یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ اس میں لفظی رکاکت اور شرعی نصوص کی مخالفت موجود ہے۔ مثلاً اس روایت میں بعض اولیاء اللہ کے دل فرشتوں جیسے اور بعض کے دل انبیاء جیسے قرار دیئے گئے ہیں۔ جبکہ انسانوں اور فرشتوں کے مابین تخلیقی فرق کے حوالے سے مسلمانوں کا مسلّمہ عقیدہ موجود ہے کہ فرشتے نور کی بنی ہوئی اور انسان مٹی سے بنی ہوئی مخلوق ہیں۔ انسان سے غلطی ہوسکتی ہے اور فرشتوں سے غلطی نہیں ہوسکتی۔ جو کہ مسلمانوں کی ایمانیات کا حصہ ہے۔ یہ روایت جس میں بعض انسانوں کے دلوں کو فرشتوں کے موافق قرار دیا گیا، اس مسلمہ عقیدے کے برخلاف ہے۔

نیز اس روایت میں ترتیب کے لحاظ سے پہلے آدم علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام، پھر ابراہیم علیہ السلام،

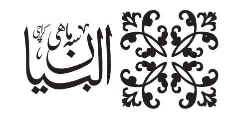
---

[1] السلسلة الضعيفة: 1479

[2] موسوعة مسند أحمد: 231/2



www.islamfort.com

پھر جبریل علیہ السلام، پھر میکائیل علیہ السلام، پھر اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ اس روایت کی رو سے اسرافیل ان سے سب سے افضل ہوئے کہ جس کی مانند بس ایک ہی دل ہوا کرتا ہے۔

نیز یہ روایت اولیاء اللہ کی تعداد کو محدود کر دیتی ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے باب عدد الاولیاء میں اس روایت اور اس جیسی دیگر روایات کو ذکر کیا اور ان پر کلام کیا۔ (کما مرّ) جبکہ قرآن کریم کی رو سے ہر مؤمن، متقی اللہ کا ولی ہے۔ [1]

بھان متی کا کنبہ:

اہل تصوف نے اس جیسی من گھڑت روایات کی بنیاد پر غوث قطب، ابدال وغیرہ کا اثبات کیا ہے چونکہ ہمارا موضوع شامی صاحب کے استدلال کے جواب کی حد تک ہے اس لئے ہم یہاں اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنی بحث کو یہیں تک محدود رکھتے ہیں۔ شامی صاحب کا استدلال ہے اولیاء کا اولاد دینا اور جو روایت پیش کر رہے ہیں اس میں کہیں بھی یہ نہیں کہ ولی بیٹے دیتے ہیں بلکہ اس میں تو خود ان کے دعا کرنے کا ذکر ہے جسے انہوں نے خود بھی بیان کیا۔ اور دعا زندوں نے کرنی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی کا بھی ذکر ہے لیکن شامی صاحب کے استدلال اولیاء اللہ سے مانگنے کا اور علی ہجویری سے مانگنے کا تو یہاں ذکر ہی نہیں، یہاں ان سے مانگنے کی تلقین تو نہیں کی جا رہی۔ اگر شامی صاحب کے یہاں یہ روایت قابلِ اعتبار ہے تو پھر اس روایت [2] کو بھی سامنے رکھیں کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک چیونٹی آسمان کی طرف الٹی لیٹ کر دعائیں مانگ رہی ہے اور بارش مانگ رہی ہے سیدنا سلیمان علیہ السلام نے کہا بس واپس چلو تمہیں دوسری مخلوق کی وجہ سے نوازا گیا۔ [3] اب شامی صاحب نے جو اندازِ استدلال اپنایا ہے اس کی رو سے تو انہیں اس روایت سے بھی یہی استدلال کرنا چاہئے کہ معاذ اللہ سلیمان علیہ السلام اور ان کی قوم نے

---

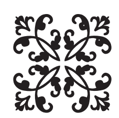
[1] سورۂ یونس: 62، 63

[2] تنبیہ: یہ روایت محض الزامی طور پر پیش کی جا رہی ہے نہ کہ احتجاجاً۔

[3] تفسیر بن ابی حاتم: 16203



www.islamfort.com




چیونٹی سے مانگا کیونکہ ان کی دعا کی وجہ سے اللہ نے بارش دی اور شامی صاحب اور ان کے مریدین کو کسی چیونٹی کا مزار بنا کر اس کی نسبت سے کسی خاص دن کوئی اجتماع رکھ کر مذکورہ روایت کو اسی خطیبانہ انداز میں بیان کر کے کہنا چاہئے کہ ہم بھی اس چیونٹی سے مانگیں گے۔ معاذ اللہ بلکہ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ»[1] ''یعنی تمہارے کمزور لوگوں کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے''۔ سنن نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: «بدعوتهم وصلاتهم وإخلاصهم»[2] یعنی ان کی دعاؤں، نمازوں اور اخلاص کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔

اب شامی صاحب نے جو استدلال کیا ہے اس کی رو سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ سے کہہ رہے ہیں کہ اپنے کمزور لوگوں کا مزار بنا کر ان سے اولادیں، رزق وغیرہ مانگا جائے۔ والعیاذ باللہ

بہرحال شامی صاحب کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

- شامی صاحب کی پیش کردہ روایت سنداً موضوع، من گھڑت ہے۔ جس کی کئی ایک اہل علم وضاحت فرما چکے ہیں۔
- مذکورہ روایت متناً لفظی رکاکت اور شرعی نصوص کے مخالف ہے۔
- مذکورہ روایت سے شامی صاحب کا استدلال بالکل باطل ہے۔ جس کا حدیث کے منطوق سے تعلق ہے نہ مفہوم سے۔

هذا ما عندی واللہ ولی التوفیق

---

[1] صحیح البخاری :2896،کتاب الجهاد والسیر ، باب من استعان بالضعفاء والصالحین في الحرب

[2] سنن النسائی :3178،کتاب الجهاد، باب الاستنصار بالضعیف



www.islamfort.com